بٹ پارے

ڈاکٹر محمد یونس بٹ

۲۰۰۳ء

- عطیہ مجازی خداوندی

جب سے ہم نے عطیہ شمشاد کے شادی کے عطیے کی خبر پڑھی ہے ہمیں سمجھ نہیں آ رہی یہ آفر ہے یا دھمکی۔ محترمہ عطیہ شمشاد صاحبہ نے کہا ہے کہ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی ہے ساتھ انہوں نے اپنی عمر 37 سال اور دیگر کوائف کے علاوہ ناول نگار ہونا بھی لکھا ہے۔ وہ چونکہ خاتون ہیں سو اس لئے ناول نگار ہی ہوں گی۔ خواتین کے لئے اکثر مختصر تحریریں لکھنا مشکل ہوتا ہے۔ انہوں نے واجپائی صاحب سے کہا ہے کہ اگر آپ مسئلہ کشمیر پاکستانی نقطہ نظر کے مطابق حل کر دیں تو میں آپ سے شادی کر لوں گی۔ اخبار میں محترمہ کی ایک بلیک اینڈ وائٹ تصور بھی چھپی ہے جس سے وہ بڑی رنگین لگتی ہیں۔ وہ جس عمر کی ہیں اس عمر میں عورت کی شادی بھی مسئلہ کشمیر ہی ہوتی ہے۔ ویسے جس عمر کے واجپائی جی ہیں اس عمر میں کسی کو شادی کی آفر کرنا دھمکی دینے کے مترادف ہے۔ اس عمر کی شادی کو مشتاق یوسفی تو بینک کی چوکیداری قرار دیتے ہیں' جس میں سوتے ہوئے بھی ایک آنکھ کھلی رکھنا پڑتی ہے۔ اس عمر میں شادی کرنے پر اگر کوئی خوش ہو تو دوسرے اسے پڑوسی سمجھتے ہیں اور بھارت کے پڑوسی تو ہم ہی ہیں۔ بڑھاپا دوسرا بچپن ہوتا ہے ویسے تو خاوند بھی بچوں کی طرح ہی ہوتے ہیں بس بچوں سے اس طرح مختلف ہوتے ہیں کہ بچے ہمیشہ اپنے ہی اچھے لگتے ہیں۔ واجپائی کے کنوارہ ہونے کے لئے یہی ثبوت ہے کہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ ہیں۔ شادی اور سیاست ساتھ ساتھ چلانا کسی شادی شدہ کا کام ہی ہو سکتا ہے۔ کنوارے سیاست دان تو پھر سیاست کے "میاں" بن جاتے ہیں۔ ہمارے

مولانا عبدالستار نیازی نے بھی کہا تھا تب شادی کروں گا جب ملک میں شریعت نافذ ہو گی۔ ان کی شادی کی راہ میں تو سینٹ رکاوٹ ہے۔ واجپائی نے شادی کیوں نہیں کی۔ وجہ کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ لوگ ان کے جنگ کے خلاف ہونے اور امن پسند ہونے کا واحد ثبوت یہی دیتے ہیں ان کے لہجے میں اتنی مٹھاس ہے کہ ان پر شوگر کے مریض ہونے کا شک ہوتا ہے۔ ہمیں محترمہ عطیہ صاحبہ کے اس عطیے پر شک نہیں۔ اگرچہ بہت سے لوگ اس خاوند کی طرح سوچتے ہیں جو بہت بیمار اور قریب المرگ ہوا تو بیوی کو پاس بلایا جو کئی دنوں سے اس کی وجہ سے جاگ رہی تھی اور کہا "تمہیں یاد ہے تم برے وقت میں ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہو۔ جب مجھے نوکری سے نکالا گیا تو میرے ساتھ تھیں۔ جب میرا بزنس تباہ ہوا تم میرے ساتھ تھیں۔ جب ہمیں گھر سے بے دخل کیا گیا تو کوئی میرے ساتھ نہ تھا سوائے تمہارے۔ میری صحت خراب ہوئی تو تم پاس رہیں۔ اب تو مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ تم میرے لئے منحوس ہو" سو ممکن ہے عطیہ کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے ہی ابھی تک کشمیر آزاد نہ ہو رہا ہو۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ واجپائی اسی ڈر کے مارے کشمیر کا مسئلہ حل نہ کرتے ہوں کہ کہیں اس سے شادی نہ کرنی پڑے۔ ایسے ہی اداکارہ شمیم آراء نے برسوں قبل اعلان کیا کہ میں اس سے شادی کروں گی جو کشمیر فتح کرے گا۔ جب ہم شمیم آراء صاحبہ سے ملے تو ہمیں ابھی تک کسی کے کشمیر فتح نہ کرنے کی وجہ سمجھ آ گئی۔ کرکٹ ورلڈ کپ کے موقع پر آنشہ جھلکا نے کہا جو بھارتی ٹیم کو جتوائے گا اس سے شادی کروں گی۔ سو کسی نے بھارت کو جتوانے کی کوشش نہ کی۔ واجپائی تو شادی سے بچنے کے لئے ہی سیاست میں آئے ہیں۔ ایک برطانوی مفکر کہتا ہے "بہت سے لوگ صرف اس لئے سیاست میں ہیں کہ ان کے ازدواجی تعلقات ٹھیک نہیں ہیں اور سیاست وہ فیلڈ ہے جس میں گھر سے باہر رہنے کے سب سے زیادہ مواقع ملتے ہیں" جیسے کسی نے پوچھا "اب تک ایٹمی جنگ سے دنیا کو کس نے بچا رکھا ہے؟" تو امریکی ناول نگار

جان ہیرسی نے کہا "ہیروشیما نے" ایسے ہی واجپائی کو سیاست نے شادی سے بچا رکھا ہے۔ ویسے تو وہ دیکھنے میں خاوند لگتے ہیں بلکہ دیکھنے میں ایسے ہیں کہ چالیس سال تک لڑکی کی شادی نہ ہو تو وہ بھی واجپائی واجپائی لگنے لگتی ہے۔ دو ادھیڑ عمر کنواروں کی گفتگو سیاست سے ہوتی ہوئی کِکنگ پر پہنچی تو پہلے نے کہا "میں نے ایک بار کک بک خریدی تھی لیکن میں اس کے ساتھ کچھ نہیں کر پایا؟" دوسرا بولا "کیا اس میں کھانے کی تراکیب بہت مشکل تھیں؟ جو تم استعمال نہیں کر پائے۔" لیکن واجپائی جی برتن اتنے صاف دھوتے ہیں کہ بھارت میں مسٹر کلین کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ واجپائی جی اتنے بڑے ہونے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ وہ مزید بڑے ہوں گے بلکہ وہ سوچ رہے تھے کہ پاکستان کے دو روزہ دورے کے دوران وہ اور بڑے ہوجائیں گے۔ اسی لئے اپنے پاؤں سے ایک نمبر بڑے جوتے پہن کر آئے تھے۔ ہمیں عطیہ میں یہی خامی نظر آتی ہے کہ انہوں نے اپنی عمر صحیح بتا دی ہے جو عورت اپنی عمر صحیح بتا دے اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ کچھ بھی نہیں چھپا سکتی۔ بہرحال ہم عطیہ کے حوصلے کی داد دیتے ہیں جو اس نے واجپائی کو چنا۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیں لاہور میں آنکھوں کے ہسپتال کتنے کم ہیں۔ بہرحال یہ پتہ چلا کہ وہ کشمیر آزاد کروانے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہیں، یہاں تک کہ شادی بھی۔

○○○

• مردانستان

بندوقوں کے علاوہ افغانستان میں کچھ کابل ذکر پایا جاتا ہے تو وہ طالبان ہیں۔ بندوقیں تو افغانستان میں اتنی ہیں کہ آپ اسے AF-GUN-ISTAN کہہ سکتے ہیں۔ اخبار پڑھ کر لگتا ہے وہاں بندوقیں اور طالبان ہی بولتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست تو طالبان کے فرمانوں پر مبنی ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں' حالانکہ ہم نے کہا کہ لطیفوں کی کتابیں آج کل لوگ نہیں خریدتے۔ ہمیں طالبان کی باتیں اس لئے اچھی نہیں لگتیں کہ ہم مزاح نگار ہیں' اس لئے بھی بھاتی ہیں کہ وہاں کی عورتیں صرف طالبان کے بیانوں میں ہی نظر آتی ہیں۔ لوگ سویڈن کو کنوارستان' روس کو زنانستان اور افغانستان کو مردانستان کہتے ہیں۔ افغانستان میں عورتیں اور معدنیات کانوں میں پائی جاتی ہیں کچھ لوگ یہ پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ طالبان عورتوں پر اتنی پابندیاں لگا رہے ہیں کہ عنقریب وہاں عورت ہونا ممنوع قراردے دیا جائے گا' حالانکہ ایسا نہیں۔ طالبان کا تازہ فرمان ہی پڑھ کر اندازہ لگا لیں کہ وہ خواتین کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ ان کے محکمہ امربالعروف ونہی عن المنکر کے حکم کے مطابق کوئی دکاندار کسی غیر محرم عورت کو سودا دے گا تو اس کی دکان بند کر دی جائے گی۔ دیکھئے اس سے عورتوں کو کتنا فائدہ ہے کہ جونہی دکاندار زیادہ منافع مانگے گا وہ اسے نامحرم کہہ کر اس کی دکان بندی کروا دیں گی۔ عورتیں شاپنگ میں پی ایچ ڈی ہوتی ہیں۔ جو کہتے ہیں دولت سے خوشی نہیں خریدی جا سکتی' یہ وہ ہیں جنہیں پتہ ہی نہیں شاپنگ کہاں کرنا ہے؟ ہمارے ہاں تو لوٹ سیل ہوتی ہے' جس میں سو روپے کی چیز تین سو کے بجائے دو سو میں بیچی جاتی ہے۔ اسے لوٹ سیل اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سیل ہی سے تو دکاندار لوٹتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست کا کریڈٹ کارڈ چوری ہو گیا مگر اس نے رپٹ درج نہ کروائی کیونکہ چور اس کی بیوی سے کم خرچ کرتا ہے۔ فضول خرچی کیا ہے؟ اکثر خاوند جانتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ ان کی شادی

ہوئی ہوتی ہے' لیکن اب افغان عورت فضول خرچی کیا صرف خرچی بھی نہیں کرسکتی کیونکہ دکاندار عورت کو دیکھتے ہی دکان یوں سمیٹتے ہیں جیسے کمیٹی والوں کے آنے پر ناجائز تجاوزات ہٹائی جاتی ہیں۔

دنیا بھر میں خواتین کو مسائل کا سامنا ہے لیکن افغانستان میں مسائل کو خواتین کا سامنا ہے۔ ہم نے ایک عورت سے پوچھا "عورتوں کو دنیا میں کتنے مسائل کا سامنا ہے؟" بولی "دنیا میں کتنے مرد ہیں؟" جیسے فرانس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ جرمنی میں واقع نہیں ہے' ایسے ہی افغانستان میں بھی یہی خوبی ہے کہ یہ ہندوستان میں نہیں ہے۔ امریکہ موسم اور مناظر کی وجہ سے اچھا ملک ہوتا اگر وہاں امریکی نہ ہوتے' کچھ لوگ ایسی ہی باتیں افغانستان کے بارے میں بھی کرتے ہیں۔ طالبان کی وجہ سے کابل نقب زنی سے نقاب زنی تک آ پہنچا ہے۔ پردہ تو یہاں کے لوگوں کے کلچر کا حصہ ہے' وہاں تو پہلے بھی خواتین پردے کی وجہ سے تصویریں برقعے والے کیمرے سے ہی کھنچواتیں۔ آج کل تو تصویر کھینچنے والے کو طالبان کھینچ دیتے ہیں۔ طالبان نے حکم دیا کہ ہر شہری سر کو ٹوپی میں چھپا کر رکھے یہ اس لئے کہا گیا کہ جنگ کی وجہ سے عمارتیں تو گر گئی تھیں لوگوں کے پاس رہنے کو جگہ نہیں سو ٹوپیاں پہننے کے بعد شہری یہ تو نہ کہہ سکیں گے کہ ان کے پاس سر چھپانے کو کچھ نہیں ہے۔ یوگوسلاویہ کی کہاوت ہے جس کے سر پر چھت نہیں ہوتی وہ زلزلوں سے محفوظ رہتا ہے۔ زیادہ افغان خیمہ زن ہیں۔ خیمہ کے ساتھ زن کا لفظ شاید اس لئے ہے کہ وہاں دور سے پتہ نہیں چلتا خیمہ ہے یا زن۔ ایک دوست نے کہا "ظاہر شاہ کے دور کی اور آج کے افغانستان کی خواتین میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی" ہم نے کہا "بات سمجھ میں نہیں آئی؟" بولے "ظاہر شاہ کے دور میں خواتین دو قسم کی تھیں ایک جو حسین تھیں اور ایک وہ جو حسین نہیں تھیں۔ اس بار گیا تو بھی ایسا ہی تھا۔ بس ظاہر شاہ کے دور میں ذرا یہ ظاہر تھا" طالبان خدا کے قریب پہنچنا چاہتے ہیں۔ انہیں کلاشنکوف اسی لئے پسند ہے کہ یہ بندے کو چند

لمحوں میں خدا کے قریب پہونچا دیتی ہے۔ طالبان کے نظام عدل سے لوگ اتنا ڈرتے ہیں کہ دو افغانی ٹرک پر جا رہے تھے کہ ایک انڈر برج آیا۔ اس پر لکھا تھا دس فٹ دو انچ تک کی گاڑی گزر سکتی ہے۔ انہوں نے اپنا ٹرک ماپا جو دس فٹ آٹھ انچ تھا ان میں سے ایک نے ادھر ادھر دیکھا اور بولا "طالبان نظر نہیں آ رہے' گزر جاتے ہیں" طلباء دنیا میں اپنی قابلیت اور طالبان اپنی کابلیت کی بنا پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے برسراقتدار آتے ہی پردے کو سختی سے نافذ کیا' کیونکہ وہ عورتوں کو اپنا قیمتی خزانہ سمجھتے ہیں' یعنی انہیں چھپا اور دبا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ افغانی خواتین چل رہی ہوں تو لگتا ہے' گھر چل رہا ہے۔ ہمارے ہاں تو گھر چلانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ وہاں پردے کی وجہ سے کچھ کام کرنے میں دشواری نہیں ہوتی البتہ تھوڑا بہت مسئلہ ہو سکتا ہے' جیسے مصور شفیق فاروقی نے بتایا کہ ایک ایرانی مصورہ سے ملاقات ہوئی جو نقاب کرتی تھی۔ اس نے بتایا کہ نقاب زنی سے اسے پینٹنگ کرنے میں ذرا مشکل پیش نہ آتی بس ذرا سگریٹ نوشی میں دشواری ہوتی ہے۔

طالبان نے خواتین کے لئے وہ کچھ کیا جو دنیا میں کوئی اور حکومت نہیں کر سکتی۔ وہ یہ کہ انہوں نے سرکاری خواتین کو کام کئے بغیر ماہانہ تنخواہ دینے کا اعلان کیا۔ ہم نے ایک جاننے والے سے پوچھا "پاکستان میں بھی ایسا ہونا چاہیے؟" وہ بولا "ہمارے ہاں سرکاری دفتروں میں یہ سہولت تو مردوں کو بھی میسر ہے' آپ صرف عورتوں کی بات کرتے ہیں؟" پوچھا "پھر کام کیسے چل رہا ہے؟" بولے "اسی لئے تو کام چل رہا ہے" ہم نے ان سے پوچھا "آپ بھی سرکاری ملازم ہیں کب سے کام کر رہے ہیں؟" بولے "جب سے وارننگ ملی ہے" مغرب بیوی کو نصب بہتر کہتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی بیوی کو نصف ہی بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اس کی گواہی بھی نصف ہی بہتر ہے۔ جو کہتے ہیں' شادی میں مرد عورت کا تناسب ففٹی ففٹی پرسنٹ ہے' نہ انہیں حساب کی سمجھ ہے' نہ عورت کی۔ دنیا کی بیشتر جنگیں عورتوں کی مرہون منت ہیں۔ افغان بھی عورت کی حکمرانی کے اتنے خلاف ہیں کہ ہر وقت لڑتے رہتے ہیں۔ کیونکہ امن میں ہوں گے تو

گھروں کو لوٹیں گے اور گھر میں تو سب مانتے ہیں کہ عورت کی حکمرانی ہوتی ہے۔
اس کا دارالخلافہ بقول مارکوس بستر ہوتا ہے عورتیں پیدائشی طور پر مختتی ہوتی ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگا لیں کہ صرف 12 فیصد عورتیں خوبصورت پیدا ہوتی ہیں باقی اپنی محنت سے بنتی ہیں۔ دنیا میں عورت نے موجودہ مقام بڑی "ضدوجہد" سے حاصل کیا لیکن افغانی عورت نے بغیر محنت کئے یہ حاصل کیا۔ طالبان نے تو تالیاں بجانے پر بھی پابندی عائد کر رکھی ہے۔ ہو سکتا ہے ایک دن وہ یہ فرمان جاری کر دیں کہ جس کے کان میں کسی غیر محرم عورت کی آواز پڑے گی اسے کوڑے پڑیں گے۔ یہ ساری سزائیں مردوں کے لئے ہیں جس سے وہاں کی عورتوں کا رعب و دبدبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس پر مغربی عورتیں اس لئے احتجاج کر رہی ہیں کہ انہیں یہ سب میسر نہیں ہے۔

○○○

- ## لاجواب دعویٰ اور جواب دعویٰ

قتیل شفائی ہمارے ایکسپورٹ کوالٹی کے شاعر ہیں۔ جب سے انہوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ وہ عہد حاضر کے نمائندہ اور مقبول شاعر ہیں تب سے ہم بہت خوش ہیں کیونکہ وہ یہ نہ بتاتے تو ہمیں اس کا پتہ ہی نہ چلتا۔ ہمیں حیرانی ہے کہ انہوں نے یہ بات اب تک چھپائے رکھی۔ وہ کہتے ہیں میں نے یہ دعویٰ اس لئے کیا ہے اگر میں یہ نہ کہتا تو منیر نیازی یہ کہہ دیتا گویا انہوں نے یہ راز منیر نیازی کے ڈر سے افشا کیا ورنہ اس سے قبل اپنے منہ سے یہ کہنا تو درکنار انہوں نے اپنی شاعری سے کبھی کسی کو اس کا پتہ نہیں چلنے دیا۔ ہمارا بھی دھیان ان کی طرف نہیں گیا ایسے ہی جیسے امریکی ادارے ناسا کو اپنے خلا بازوں کے لئے جدید ترین آلہ مطلوب تھا جس میں ایسی سیاہی بھری ہو جو خلا میں کشش ثقل کے نہ ہونے کے باوجود لکھنے میں مددگار ہو چاہے اس کی تیاری پر اربوں ڈالر لگ جائیں۔ دنیا بھر کے افراد سے اس سلسلے میں مشورے کئے گئے یہاں تک کہ ناسا کو پانچ الفاظ پر مبنی ایک ٹیلیگرام ملا جو جرمنی میں اس ادارے کے نمائندے کی طرف سے تھا جس میں لکھا تھا "آپ نے پنسل ٹرائی کی۔"

عمر لمبی کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ تمام کام چھوڑ دیں جن کی وجہ سے آپ لمبی عمر چاہتے ہیں کچھ یہی معاملہ مقبول ترین اور عہد کا نمائندہ شاعر بننے کا ہے اگرچہ ہمارے ہاں چھوٹے شاعر تو عرصہ ہوا پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں۔ مرزا غالب ہی پیدا ہو رہے ہیں۔ اسداللہ غالب کی 200 ویں سالگرہ کی ایک سرکاری تقریب میں میزبان نے کہا "مرزا غالب اپنی پوری زندگی قرض لیتے اور دیتے رہے۔ موجودہ حکومت میں وفاقی وزیر خزانہ سرتاج عزیز بھی اپنے شعبے کے مرزا غالب ہیں۔" جس کے جواب میں سرتاج عزیز نے کہا "غالب کے قرضوں کے مسائل حل ہو جاتے تو وہ اتنے اچھے شعر نہ لکھ پاتے کیونکہ کرب اور تذبذب کے بغیر شعر کہنا ممکن نہیں۔" اب پتہ چلا کہ

وہ قومی بجٹ نہیں دراصل ادبی بجٹ بناتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ غالب پیدا ہو سکیں۔ اس کے باوجود ڈاکٹر فضل الرحمٰن لاہوری اور قتیل شفائی صاحب کو یہاں کا ماحول موزوں غزل کے لئے غیر موزوں لگتا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن لاہوری تو کہتے ہیں "میری کئی غزلیں لاہور کی نامکمل سڑکوں کی وجہ سے مکمل نہیں ہو رہیں۔ جب میں اپنی غزل کے دوسرے تیسرے شعر پر ہوتا ہوں تو میرا سائیکل کسی گڑھے میں جا پڑتا ہے اور سارے خیالات منتشر ہو جاتے ہیں" ان کی کئی غزلیں گٹروں پر ڈھکن نہ ہونے کی وجہ سے ادھوری ہیں جبکہ قتیل شفائی کی تو مادھوری بنا ادھوری ہیں۔ وہ سال میں جتنی بار بھارت جاتے ہیں سال میں اتنی بار تو کئی شاعر باتھ روم نہیں جاتے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو ایک کتاب لکھ رہی ہیں "ایک ہزار سال بعد کیا ہو گا؟" ایک تقریب میں وہ صحافیوں سے پوچھ رہی تھیں کہ ایک ہزار سال بعد کیا اچھی اچھی باتیں ہوں گی۔ ایک صحافی بولا "ایک ہزار سال بعد نواز شریف نہیں ہوگا!" سو بھارت میں قتیل کو جو خوبیاں نظر آتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں منیر نیازی نہیں ہے۔ ویسے بھی قتیل شفائی اپنی ادبی خدمات بتاتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے بھارت کو "رشمی بادشاہ" جیسی بڑی شاعرہ دی۔ ہم نے محترمہ کی تصویر نہیں دیکھی سو ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کتنی بڑی شاعرہ ہیں؟ بہرحال وہ قتیل شفائی اور بھارت کی "سر" کردہ شاعرہ ہیں۔ شاعر بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ سنا ہے جب حافظ شیرازی نے محبوب کے تل کے بدلے سمرقند و بخارا دینے کی بات کی تو امیر تیمور نے غصے سے کہا "میں نے یہ شہر بڑی جنگوں کے بعد حاصل کئے ہیں اور تم انہیں اپنے محبوب کے گال کے تل کے بدلے لٹانا چاہتے ہو! اپنی حیثیت تو دیکھو؟" اس پر حافظ شیرازی نے کہا "انہی شاہ خرچیوں نے تو اس حال کو پہنچایا ہے" قتیل شفائی کو بھی ان "بادشاہ" خرچیوں نے اس مقام تک پہنچایا ہے ورنہ وہ پاکستان کو بھی ایک بڑی شاعرہ نہ سہی ایک بڑا شاعر ہی دے دیتے۔

ہمارے ہاں شاعروں کی مقبولیت کا گراف شاعروں سے بھی گر چکا ہے۔ ایسے حالات میں

قتیل شفائی کا مقبول ہونا خوش آئند بات ہے وہ شاعروں میں بھی مقبول ہیں مگر ایسے ہی جیسے ہمارے ایک دوست نے کہا تھا "میں اپنی کلاس میں سب سے مقبول ہوں اور ساری کلاس میری اس مقبولیت سے جلتی ہے۔" قتیل شفائی صاحب کہتے ہیں "جتنے لوگ مجھے جانتے ہیں کسی اور شاعر کو نہیں جانتے۔" ہم یہ نہیں کہتے کہ سب لوگ ہی انہیں جانتے ہیں کیونکہ بہت سے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔ سنا ہے قتیل شفائی وہ شاعر ہیں جن پر شاعرات اور شاعری اترتی ہے۔ ہری پور ہزارہ کا یہ ہری چگ تخت ہزارے کا لگتا ہے۔ وہ چاند پر نیل آرم سٹرانگ سے پہلے پہنچ جاتا ہے۔ عطاء الحق قاسمی نے ایک بار ان سے پوچھا "جب انسان پچھتر سال کا ہو جائے تو وہ کون سی چیز ہے جو جوان اور زندہ رکھتی ہے جو آپ کے ذہن میں ہے!" اس پر عطاء الحق قاسمی نے کہا "لاحول ولاقوۃ میرے ذہن میں وہ چیز نہیں جو آپ کے ذہن میں ہے۔" اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قتیل شفائی صاحب کے ذہن میں کچھ ہے ویسے ان کے ذہن میں جو بھی ہو ان کا چہرہ بتا دیتا ہے۔ خاص کرکے چہرے کا منہ والا حصہ۔ وہ کہتے ہیں "میرے 19 مجموعے شائع ہوئے اس کے باوجود لوگ مجھے فلمی شاعر کہتے ہیں" سچی بات ہے ہم مجموعے شائع کرنے کے لئے اسی لئے حق میں نہیں کہ پھر لوگوں کو آپ کو پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ آپ کو سمجھ جاتے ہیں یا تو شاعر عبدالعزیز خالد جیسا ہو کہ جن کا شعر سمجھنے کے لئے بندے کا پہلے خود عبدالعزیز ہونا ضروری ہو۔ بھارت کی عفت موہانی صاحبہ نے عبدالعزیز خالد کو "شاعر آخرالزماں" کہا ہی شاید اس لئے ہے کہ پڑھنے والے کو ان کی ہر کتاب اپنی آخری کتاب لگتی ہے۔ وہ واحد ادیب ہیں جو دن رات فلم و ادب کے لئے کام کر رہے ہیں شاید انہی کے بارے میں شعیب بن عزیز نے کہا ہے "یہ وہ نائٹ کالج ہیں جو دن کو بھی کھلا رہتا ہے۔" ان کی شاعری "صدا" بہار ہے۔ ان کی تو بچپن کی غزلیں پڑھ کر لگتا ہے تازہ کلام پڑھ رہے ہیں۔ احمد عقیل روبی لکھتے ہیں، قتیل نے اپنے والد اور میر تقی میر کے والد کی نصیحتوں پر عمل کیا۔ قتیل کے والد نے نصیحت کی "بیٹا سب کچھ کرنا مگر دوسری شادی نہ کرنا"

میر تقی میر کے والد نے کہا "بیٹا عشق ضرور کرنا" قتیل کی شاعری اس "سب کچھ" میں شامل ہے حالانکہ کچھ گھرانوں میں دوسری شادی اور شاعری دونوں ایک سی حرکتیں سمجھی جاتی ہیں۔ ہمارے ایک شاعر دوست نے کہا "میری ماں دعا مانگتی کہ میرا بیٹا شاعر نہ بنے" عرض کیا "آپ کا کلام پڑھ کر یقین ہوتا ہے کہ ماں کی دعا سیدھی عرشوں پر جاتی ہے۔" بہرحال قتیل شفائی کا ادب پر اور کوئی احسان ہو نہ ہو یہ ضرور ہے کہ انہوں نے عہد حاضر کا نمائندہ اور سب سے مقبول شاعر دریافت کیا۔

• صھرتہ الاضناف

وہ شاعر جن کا کلام سن کر سر دھننے کو دل چاہتا ہے ان سے کلام کرکے ان کا سر دھننے کو دل چاہتا ہے۔ ایک وقت تھا جب ادب میں شہرت سے مراد شہرت بخاری لیا جاتا لیکن اب اداکاراؤں کو اتنا خبروں میں رہنے کا شوق نہیں جتنا شاعروں ادیبوں کو ہے۔ وہ شاید خبروں میں اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ ان کے پاس رہنے کے لئے اور معقول جگہ نہیں ہوتی۔ سیاستدانوں کا سنا تھا کہ ان کے گھر کو آگ بھی لگ جائے تو پہلے وہ اخبار کے دفتر فون کریں گے پھر فائر بریگیڈ کو اطلاع دیں گے۔ اب تو ادیب شاعر بھی گھر سے جیب میں تصویر رکھ کر نکلتے ہیں کہ اگر حادثہ ہو جائے تو خبر کے ساتھ تصویر بھی لگ سکے۔ ایک صاحب تو جیب میں یہ رقعہ ڈال کر نکلتے ہیں "میں مشہور آدمی ہوں' حادثے کی صورت میں پریس کو مطلع کریں' شکریہ!" ادبی رسالوں کی جگہ ادبی اخبارات آ گئے ہیں سو ہم بھی ادیبوں کی تحریروں کے بجائے ان کے انٹرویو ہی پڑھتے ہیں۔ اس ہفتے ہم نے عدیم ہاشمی کا انٹرویو پڑھا' وہی مزا آیا جو کبھی رنگیلے کی فلم دیکھ کر آیا کرتا تھا۔

عدیم ہاشمی کو ہم تب سے جانتے ہیں جب وہ مشہور شاعر ہوا کرتے تھے۔ پھر وہ امریکہ چلے گئے۔ امریکہ میں چودہ برس انہوں نے کیا کیا معلوم نہیں' لیکن ان کی نیک چلنی کے لئے یہ ثبوت ہی کافی ہے کہ اس دوران وہ ایک بار بھی امریکہ کے صدر نہیں رہے۔ کئی برس پہلے پتہ چلا وہ واپس آ گئے ہیں۔ انکی تازہ کتابیں پڑھ کر یہی لگتا ہے کہ وہ ابھی واپس نہیں آئے۔ انہیں خود بھی اپنی واپسی کا یقین نہیں۔ انٹرویو میں فرماتے ہیں "پہلے میری شاعری کا طوطی بولتا تھا پھر اچانک 14 سال کے لئے امریکہ چلا گیا تو یہ طوطی دوسروں کی شاعری میں بولنے لگا۔ میری غیر موجودگی میں کئی چھٹ بھیے بڑے نامور شاعر بن گئے جن میں ایک وہ گنجے سخن بھی ہیں جو اب مجھے پہچانتے نہیں۔"

جیسے فلاسفروں کے دو گروپ ہیں ایک وہ جو فلاسفروں کو دو گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں اور دوسرے جو نہیں کرتے۔ شاعروں کے بھی دو گروپ ہیں' پہلا گروپ دوسرے کو شاعر تسلیم نہیں کرتا اور دوسرا گروپ وہ جس کی یہی رائے پہلے کے بارے میں ہے۔ جو شخص اچھا شعر بن کر اس سے لطف اندوز نہ ہو سکے وہ بدذوق ہے یا پھر خود شاعر ہے۔

ہم شاعر نہیں مزاح نگار ہیں' اس لئے عدیم ہاشمی کو بہت پسند کرتے ہیں جنہوں نے عدیم کو نہیں پڑھا وہ بھی عدیم کو اچھا شاعر مانتے ہیں۔ جنہوں نے پڑھا ہے وہ بھی نہ پڑھنے والوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ عدیم ہاشمی میں ایک خوبی یہ ہے کہ اسے سب اچھا نہیں کہتے۔ یہ شکسپیئر کی ہی خاص بات ہے کہ سب کہتے ہیں وہ بہت اچھا ہے' اس کے باوجود وہ بہت اچھا ہے۔ عدیم ہاشمی کو جب لوگ مشہور شاعر کہتے تو انہیں یقین نہ آتا اب انہیں یقین آیا ہے تو لوگ کہتے نہیں۔ وہ منفرد شاعر ہیں' ایسے ہی جیسے ہر شاعر ہوتا ہے ان سے اچھے شعر کہتے ہیں جو ان سے اچھے شعر نہیں کہتے' ہمیں ان کا انٹرویو گمشدہ طوطی کی تلاش کا اشتہار لگا۔ ہمیں طوطی بولنے پر ہمیشہ حیرانی ہوتی ہے کہ طوطی بولتا کیوں ہے' بولتی کیوں نہیں' ہو سکتا ہے وہ بولتی خواتین کی شاعری میں ہو۔

بہرحال عدیم ہاشمی جسے اپنا طوطی سمجھتے ہیں وہ جس کے پاس ہو وہ انہیں واپس کر دے۔ انٹرویو سے لگتا ہے انہیں طوطی کا شک ایک "گنجِ سخن" پر ہے۔ ہمیں ادب کے گنجوں کے بارے میں یہی پتہ ہے کہ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک وہ جن کا سر اوپر سے خالی ہوتا ہے اور انہیں بال سنوارنے کے لئے بھی دوسروں کے سر پر ہاتھ پھیرنا پڑتا ہے عدیم ہاشمی صاحب نے اس "گنجِ سخن" کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ عدیم ہاشمی کو نہیں پہچانتا۔ اس طرح تو تلاش مشکل ہو جائے گی۔ کیونکہ جس ادیب شاعر کے ساتھ لوگ عزت و احترام سے پیش آئیں ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے اسے نہیں پہچانا اور عدیم ہاشمی کا تو زیادہ تر لوگ احترام کرتے ہیں۔ جہاں تک عدیم ہاشمی کا یہ کہنا ہے کہ میری غیر حاضری میں "گنجِ سخن" نامور ہو گیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک

محفل میں ضمیر جعفری صاحب کا شعر سن کر حفیظ جالندھری صاحب بولے "ضمیر جب تم میرے پاس کام کرتے تھے تب تو اتنے اچھے شعر نہ کہتے تھے۔" ضمیر جعفری صاحب یہ سن کر بولے "حفیظ صاحب یہ سب آپ کی دوری کا فیض ہے۔" جس طرح کلنٹن کی وجہ سے امریکہ کا حال نہ سہی ماضی تو بہتر ہو گیا ہے کہ اب نکسن سچا اور کارٹر اچھا لگتا ہے' اسی طرح عدیم کی وجہ سے غزل کا مستقبل نہ سہی ماضی تابناک ضرور ہوا ہے۔ ایک زمانہ تھا انکی غزلیں بھی "بلیک" ہوتی تھیں۔ لیکن انہوں نے بلیک ہیومر کی طرح بلیک غزل کی اصطلاح نہ نکالی لیکن اب کہتے ہیں "سوچا نیا کام کروں سو میں نے مکالماتی غزل کا نیا اسلوب تراشا۔" ان کی غزل پڑھ کر بھی یہی لگتا ہے کہ انہوں نے شعر نہیں کہے کام ہی کیا ہے۔ اس حساب سے تو احمد فراز کی غزلوں میں واردات قلب ہوتی ہے۔ سو وہ وارداتی غزل' عبدالعزیز خالد جناتی غزل' شہزاد احمد کلیاتی غزل اور ظفر اقبال کالماتی غزل لکھ رہے ہیں۔ اس کے باوجود شاعرہ تنویر انجم کہتی ہیں "غزل خطرے میں ہے" لگتا ہے محترمہ نے اپنے علاوہ عدیم ہاشمی کی تازہ کتاب بھی پڑھ لی ہے۔ ویسے بھی پاکستان میں جتنے جرائم بڑھ رہے ہیں غزل کیا ہر کوئی خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگا ہے۔ ان حالات میں شہزاد احمد صاحب کا بیان حوصلہ افزا ہے کہ جب تک میں ہوں غزل زندہ رہے گی۔ ان کی تازہ غزلیں پڑھ کر لگتا ہے کہ ان کی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی' وہ جو دوائیں کھاتے ہیں غزلوں میں ان کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔ مکالماتی غزل ہی نہیں اب تو مارکیٹ میں مکالماتی نظم بھی آ گئی ہے ایک نظم حاضر ہے۔

"کیا تمہارا والد چور ہے؟"
"نہیں تو"
"پھر اس نے ستاروں کی چمک چرا کر تمہاری آنکھوں میں کیسے بھری؟"

شاعری میں "مکالمہ" آنے کے بعد بھی عدیم ہاشمی کا طوطی نہ بولا تو کسی اسپیچ تھراپسٹ کے پاس جانے کے بجائے انہوں نے دیباچہ نگاری شروع کر دی۔ ہم سمجھتے ہیں ان

کی شاعری اتنی اچھی ہے کہ بندہ انکا دیباچہ پڑھنے کے باوجود ان کی شاعری سے لطف اندوز ہو سکتا ہے لیکن انہیں دیباچے کا ایسا چسکا پڑا کہ وہ تو کسی کو خط بھی لکھیں تو اس کے شروع میں بھی دیباچہ لکھ دیتے ہیں۔ شعر نہ لکھنا اور دیباچہ لکھنا کوئی آسان کام نہیں جنھوں نے کتاب خریدنا ہو وہ خرید لیتے ہیں جنھوں نے نہ خریدنا ہو وہ اس کا دیباچہ پڑھنے لگتے ہیں تاکہ نہ خریدنے کی کسی معقول وجہ کا علم ہو سکے۔ عدیم ہاشمی دیباچوں کی اتنی قسمیں بتاتے ہیں کہ دیباچہ بھی ہمیں ہیپاٹائٹس کی کوئی قسم لگتا ہے۔ مشکور حسین یاد انشائیے کو ام الاصناف کہتے ہیں۔ اگرچہ کچھ کہتے ہیں سب اصناف نے انشائیے سے جنم لیا ہے تو پھر یہ کیوں باقی ہے؟ یہ پوچھنا ایسے ہی ہے جیسے یہ کہ انسان' بندر اور بن مانس سے بنا ہے تو پھر اب تک بندر اور بن مانس کیوں ہیں؟ بہرحال انشائیہ ام الاصناف ہے تو دیباچہ صھرتہ الاصناف یعنی اصناف کی ساس۔ عدیم ہاشمی صاحب فرماتے ہیں' میں تو ساری کتاب لکھتا ہی دیباچے کے لئے ہوں بلکہ دیباچے کو کچھ غزلیں لگا دیتا ہوں۔ وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں جو بندہ شاعری اور سیاست کر سکتا ہے وہ کیا نہیں کر سکتا۔ ان کی تحریریں پڑھ کر ہی ہمیں پتہ چلا کہ عمر کے ساتھ کچھ بہتر نہیں ہوتا۔

○○○

- "فیس ویلیو" اور پری فیس ویلیو"

ہم نے اہل دانش کو کبھی کسی معاملے میں ایک سی رائے دیتے نہیں دیکھا۔ ان کے سامنے سے تو مرغ سڑک پار کر جائے تو ارسطو کہے گا یہ مرغ کی فطرت ہے کہ وہ سڑک پار کرے۔ آئن اسٹائن کہے گا مرغ سڑک کے اوپر سے گزرا یا سڑک مرغ کے نیچے سے گزری' یہ آپ کے فریم آف ریفرنس پر منحصر ہے۔ فرائیڈ کہے گا مرغ کا سڑک پار کرنا اس کی جنسی ناآسودگی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر دانشور بھارتی ہے تو وہ کہے گا مرغ کے سڑک پار کرنے میں پاکستان کا ہاتھ ہے۔ لیکن ہمیں کتاب "ڈاکٹر قمر آرا کے گیت' اہل دانش کی نظر میں" پڑھ کر پتہ چلا کہ اہل دانش خواہ وہ بھارتی ہی کیوں نہ ہوں کم از کم قمرآرا صاحبہ کے گیتوں کے بارے میں ایک سی رائے رکھتے ہیں۔

ویسے بھی ادب میں خواتین کے مقام کا تعین ان کے "فیس" اور ان کی کتاب کے "پری فیس" سے ہوتا ہے۔ محترمہ قمر آرا صاحبہ کی کتاب دیکھ کر سب سے پہلے تو اپنے ہاں اتنے دانشور ہونے پر خوشی ہوتی ہے۔ کم از کم 80 دانشور اس کتاب میں رائے "زن" ہوئے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے قمر آرا صاحبہ شاعروں' ادیبوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ ایک دانشور اور دوسرے وہ جنھوں نے محترمہ کے گیتوں کی تعریف نہیں کی۔ محترمہ نے جتنی محنت سے اپنے بارے میں آرا اکٹھی کی ہیں اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود پر پی ایچ ڈی کرنا چاہ رہی ہیں۔ لگتا ہے آراء اکٹھی کرنے کا انہیں بچپن ہی سے شوق ہے' اسی لئے گھر والے انہیں بچپن ہی سے "قمرآراء" کہتے تھے۔ ان کے گیتوں کی کتاب "خواب آنگن" چھپی تو ہاتھوں ہاتھ نکل گئی کیونکہ کتاب مفت دینے میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایک ہی ماہ میں پہلا ایڈیشن نکل جاتا ہے۔ ویسے بھی آج کل لوگ کتابیں اس مقصد کے لئے چھپواتے ہیں جس کے لئے پہلے وزیٹنگ کارڈ چھپوائے

جاتے تھے۔ اہل دانش نے اس کتاب کی افادیت ثابت کرنے کے لئے ایسے ایسے وزنی دلائل دیئے ہیں کہ اگر ان میں کاغذ کا وزن بھی شامل کر لیا جائے تو ستر ستر گرام کے دلائل ہیں۔ تبصرے اور خط لکھنے والوں نے بھی محترمہ کے گیت گائے ہیں۔

اپنا کلام کتابی صورت میں چھپوانا خود مخالفین کو اپنے خلاف مواد مہیا کرنا ہے۔ روسی کہاوت ہے "کپڑے کو کاٹنے سے پہلے سات بارناپو کیونکہ اسے کاٹنے کا ایک بار ہی موقع ملتا ہے" خیر روسی خواتین کے لباس دیکھ کر لگتا ہے وہ اپنی کہاوتیں نہیں سنتے۔ ہم سمجھتے ہیں کتاب شائع کروانے سے پہلے کسی سیانے سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس کی اجازت دے دے تو پھر کسی سیانے سے مشورہ کرنا چاہیے کتا اور کتاب انسان کے بہترین دوست ہیں۔ آپ دونوں میں سے کس کو چنتے ہیں یہ آپ پر ہے۔ "خواب آنگن" تو خیر ایک بین الاقوامی کتاب ہے یعنی ٹائٹل دلی میں بنا' چھپی لاہور میں اور پیش لفظ' کشمیر میں لکھا گیا۔ بھارت کے ظ. انصاری صاحب نے فرمایا ہے کہ خواب آنگن کی اشاعت کا حق پاکستان سے پہلے ہندوستان کو تھا۔ اگرچہ ظ. انصاری صاحب کچھ نہ کچھ فرماتے ہی رہتے ہیں۔ فرمانے کو اورکچھ نہ ہو تو غسل فرمانے لگتے ہیں' لیکن یہ سچ ہے کہ گیتوں میں بھارت ہمارے بھی گیت گاتا ہے۔ مہدی حسن خان کے بقول "بھارت کے گائیک کہتے ہیں خان صاحب ہمیں گانا بجانا کہاں آتا ہے بس پاکستان کی طرف منہ کرکے گا لیتے ہیں" شاید اسی لئے پاک بھارت تعلقات خراب ہی چلے آ رہے ہیں۔ کسی کے گھر کی طرف منہ کرکے گانے سے تو محلوں میں بھی لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔

بہرحال "خواب آنگن" پڑھ کر ہمارا بھی دل چاہا کہ ایسی کتاب بھارت میں چھپنا چاہیے تھی اب بھی موقع ہے جو کتابیں بچی ہیں وہ بھارت بھیج دی جائیں۔ بھارت سے بدلہ لینے کا ہمیں کوئی موقع نہیں گنوانا چاہیے۔ اگرچہ یہ کتاب سٹالوں پر نہیں رکھی گئی پھر بھی فروخت میں اس نے ہیٹ ٹرک کی یعنی تین کاپیاں بکیں۔ کتاب دینے میں محترمہ کسی کالحاظ نہیں کرتیں' یہاں تک کہ کتاب "ڈاکٹر قمر آراء کے گیت اہل دانش کی

نظر میں" کے بیک ٹائٹل پر جو تصویر ہے اس میں مصنفہ نواز شریف کو اپنی کتاب پیش کر رہی ہیں جسے لیتے ہوئے نواز شریف کے چہرے پر وہی تاثرات ہیں جو کتاب لیتے ہوئے ان کے چہرے پر ہوتے ہیں۔ نواز شریف کو پڑھنے کا اتنا شوق ہے کہ انہوں نے پڑھنے کے لئے الگ شاف رکھا ہوا ہے لیکن محترمہ تو خیالات بھی پڑھ سکتی ہیں' اس لئے کتاب لیتے ہوئے جو نواز شریف نے سوچا وہ محترمہ نے "ڈاکٹر قمر آراء کے گیت اہل دانش کی نظر میں" میں درج کر دیا ہے۔ لکھا ہے نواز شریف نے کہا "یہ شاعری کا بہترین مجموعہ" ہے۔ ہم حیران ہیں کہ نواز شریف کو یہ کیسے پتہ چل گیا کہ یہ شاعری ہے' بہترین ہے اور یہ مجموعہ بھی ہے۔ نواز شریف نے مزید فرمایا "ڈاکٹر صاحبہ کی شاعری پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے' بلاشبہ یہ ایک بڑا کام ہے۔" یہ تو ہم بھی سمجھتے ہیں' شاعری دیکھنے سے نہیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اور نواز شریف سے متفق ہیں کہ بلاشبہ اسے پڑھنا ایک بڑا کام ہے۔ ویسے قمر آراء صاحبہ کے گیت آپ کو تب تک پسند نہیں آ سکتے جب تک آپ کو گلوکاری نہ آتی ہو۔ ہمیں تو پرانے گیت زیادہ پسند آتے ہیں اس لئے کہ انہیں کوئی گاتا نہیں جہاں تک عورتوں کے گیت لکھنے کی بات ہے' لیو فیلڈ نے ڈور تھی فیلڈ سے کہا تھا "خاتون کو گیت نہیں لکھنے چاہئیں؟" جس پر ڈور تھی فیلڈ نے کہا "میں خاتون نہیں آپ کی بیٹی ہوں" اس حساب سے تو محترمہ بھی ڈاکٹر ہیں۔ بچپن ہی سے وہ اتنی محنتی تھیں کہ سکول ٹیچر نے ایک بار سزا دی کہ سکول کی سیڑھیاں دس بار چڑھو' اترو۔ پانچ منٹ بعد آ کر ٹیچر نے کہا "جلدی کرو تم سے ابھی تک یہ نہیں ہوا" بولی۔ "میڈم دس مرتبہ چڑھ چکی ہوں' اب بس دس مرتبہ اترنا باقی رہ گیا ہے۔" شاعری کے حوالے سے فرماتی ہیں "میں نے ایک شاعر کی شاگردی کی لیکن اس کا نام نہیں بتاؤں گی اس لئے کہ اس نے میرے ساتھ فراڈ کیا۔" ان کی شاعری پڑھ کر واقعی ایسا ہی لگتا ہے۔ بہرحال ان کی اس بات سے پتہ لگا کہ وہ کتنی تابعدار شاگردہ ہیں جو استاد کا نام کسی کو نہیں بتاتیں۔ ہمارے ایک سیاستدان نے لندن میں

انگریزی کے لئے ٹیوٹر رکھا۔ پاکستان آتے ہوئے اس نے ٹیوٹر سے کہا۔ "پاکستان میں میرے لئے کوئی خدمت ہو تو حکم کریں؟" تو ٹیوٹر بولا "آپ وہاں کسی کو یہ مت بتایئے گا کہ میں نے آپ کو انگریزی پڑھائی ہے۔" محترمہ خود کو طفیل ہوشیارپوری کی ٹیلی فونک شاگردہ بھی کہتی ہیں۔ ادب سے زیادہ ٹیلیفون عورتوں کے لئے ذریعہ اظہار ہے۔ جب کوئی عورت خاموشی سے دکھ اٹھاتی ہے تو اس کا مطلب ہے اس کا ٹیلیفون خراب ہے۔ مرد جب ریسیور اٹھاتا ہے تو لکھنے کے لئے کوئی چیز پڑ کتا ہے اور عورت کرسی۔ بہرحال ہمیں حیرانی ہوئی کہ اہل دانش نے اس بنا پر انہیں ٹیلیفونک ادب کی بانی قرار نہیں دیا حالانکہ راغب مراد آبادی جیسے اہل دانش کی ادب پر کتنی "گہری" نظر ہے۔ اس کا اندازہ اس شعر سے لگا لیں۔

حاصل ہوا ہے دیدار قمر آراء کا
چہرہ ہے پرنور قمر آراء کا

رحمان مذنب نے تو لکھا ہے وہ "خواب آنگن" لکھ کر' امر ہو گئی ہیں۔ ابدال بیلا صاحب تو "خواب آنگن" پر لکھ کر امر ہو گئے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ "پرسوں شام کو یہاں بڑے زور کا طوفان آیا۔ جھکڑ آندھی آئی اور بارش ہو گئی' جل تھل ہو گیا۔ سوچ رہا تھا کہ آخر شہر کا ایسا نصیب کیسے جاگا۔ اچانک باہر دروازے پر گھنٹی بجی۔ بارش میں بھیگتا چھتری لے کر دروازے پر گیا۔ وہاں ایک کتاب کھڑی تھی "خواب آنگن" مزید یہ لکھتے ہیں۔ "لاہور میں جب بھی حاضر ہوا' حاضر ہوں گا کیونکہ اصل شہر میرا بھی لاہور ہی ہے۔ لاہور کی گلیاں اور بازار بھی میرے ہیں۔ آپ کی گلی سمیت۔"

گیتوں کی افادیت کے ہم اسی دن قائل ہو گئے تھے جب تھل کے ایک زمیندار نے کہا تھا کہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے گیت سن کر اس کی بھینسیں زیادہ دودھ دینے لگی ہیں۔ سو ہمیں ڈاکٹر قمر آراء کے گیتوں کی کتاب سے یہ توقع تھی کہ اس میں یہ

خوبی تو ضرور ہو گی لیکن پریشان خٹک صاحب نے اپنی رائے سے پریشان کر دیا کہ قمر آراء کے گیت انسانی جذبات کے عکاس ہیں۔

ممتاز مفتی نے محترمہ کو گیتوں کی ملکہ قرار دیا ہے۔ ان اہل دانش نے محترمہ کے سر پر گیتوں کی موجد ہونے کا سہرا شاید تاحال اس لئے نہیں باندھا کہ ہمارے ہاں عورتیں سہرا باندھتی نہیں ہیں۔

○○○

• صنفِ ممنوعہ

ہم آج تک یہی سمجھتے رہے کہ غزل لکھنے کے لئے اگر کچھ چاہیے تو وہ کاغذ قلم ہی ہے لیکن انیس ناگی صاحب نے غزل لکھنے کے لئے سب سے ضروری مرد ہونا قراردیا ہے۔ فرماتے ہیں "غزل کا کلاسیکی مطلب عورتوں سے باتیں کرنا ہے' آپ خود ہی سوچیں کہ عورت' عورت سے بات کرے تو شاعری کیسے پیدا ہو گی؟" صاحب! جب سے ادب' خبر بنا ہے ادبی اخبار نکلنے لگے ہیں جو پہلے سیکنڈلز اور چٹ پٹی خبریں پڑھنے کے لئے فلمی اخبار خریدا کرتے تھے' آج کل ادبی اخبار خریدتے ہیں۔ ان ادبی اخباروں میں ہر کوئی دوسرے کو گھٹیا کہہ رہا ہوتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں اسے ادیب شاعر ہی نہیں مانتا۔ سو صاحب اگر آپ اسے ادیب شاعر مانتے ہی نہیں تو پھر اسے گھٹیا کیوں کہہ رہے ہیں! جگر مراد آبادی کے پاس ان کے ایک دوست قانونی وثیقہ بطور گواہ دستخط کروانے لائے تو جگر نے سارا قانونی وثیقہ پڑھا اور اس میں سے دو غیر شاعرانہ الفاظ نکالنے پر اصرار کیا پھر اس پر دستخط کئے۔ ان ادبی اخباروں سے غیرشاعرانہ الفاظ نکالنا تو مشکل کام ہے البتہ محنت سے دو تین شاعرانہ ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ ان کے غیر معیاری ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ یہ ہمیں بھی پسند ہیں۔ ان ادبی اخباروں کا وہی فائدہ ہے جو شاعر فرخی کو بادشاہ کے انعام ملنے کا ہوا۔ کہتے ہیں مشہور شاعر فرخی کو بادشاہ وقت نے ان کا کلام سن کر انعام میں مویشیوں کا ریوڑ دے دیا تھا اور وہ سارا دن اسے ہی سمیٹتے رہتے۔ اس کے بعدانھوں نے کوئی غزل نہ کہی۔ آج کل ادبی اخباروں کی وجہ سے غزل' نظم یہاں تک کہ انشائیہ بھی ادیبوں شاعروں سے بچا ہوا ہے بس انٹرویوز ہو رہے ہیں۔ انیس ناگی تو ویسے بھی بابائے انٹرویو ہیں۔ وہ سارا ماہ لکھتے ہیں' اگر کہنے کو کچھ ہو تو انٹرویو دے دیتے ہیں۔ ان کے تازہ انٹرویو سے پتہ چلا کہ مرد ہونے میں یہ خوبی ہے کہ آپ غزل گو ہو سکتے ہیں۔ ہمارے اکثر غزل

گو حضرات کی شاعری میں یہی واحد خوبی ہوتی ہے۔

جہاں تک غزل کی تعریف کا تعلق ہے تو ہم سمجھتے ہیں ہر غزل کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ البتہ یہ سنا ہے کہ عورتوں کی غزلیں دیکھنے میں مردوں کی غزلوں سے خوبصورت ہوتی ہیں ویسے ہم نے تو جتنی غزلیں پڑھیں یہی لگا کہ شاعر کسی مرد سے بات کر رہا ہے کیونکہ غزل میں محبوب ہمیشہ مذکر ہی استعمال ہوا ہے۔ اب کچھ شاعروں نے غزل میں عورتوں سے باتیں شروع کی ہیں جیسے جون ایلیا صاحب۔ وہ تو خیر خود کلامی بھی کر رہے ہیں تو دور سے یہی لگتا ہے کہ کسی صورت سے باتیں کر رہے ہیں لیکن انیس ناگی واقعی غزل سے مراد عورتوں سے باتیں کرنا ہی لیتے ہیں شاید اسی لئے ابھی تک اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس تعریف کے حساب سے تو مصطفیٰ کھر کا غزل کے کلاسیکی شعراء میں شمار ہونا چاہیے۔ انہوں نے دوسروں کی زمینوں میں غزلیں کہہ کہہ کر دھومیں مچا دیں پھر وہ صاحب دیوان ہیں' ان کے دیوان خانے سے بڑا دیوان کس شاعر کا ہے؟ کشور ناہید کی غزل پر انتظار حسین نے کہا تھا۔ "اس کے ہاں سوکن کے بجائے رقیب کا ذکر ملتا ہے۔" پھر منیر نیازی نے کہا۔ میں تو کشور ناہید سے اپنی بیوی کو پردہ کرواتا ہوں۔" اس حساب سے تو کشور ناہید ہی غزل لکھنے کے لئے کوالیفائی کرتی ہیں۔ انیس ناگی صاحب نے اپنی بات کی حمایت میں جو دلیل دی وہ یہ ہے کہ ابھی تک غزل کے نام سے معیاری شاعری کرنے والی کوئی خاص خاتون سامنے نہیں آئی۔ ہوسکتا ہے کوئی خاتون سامنے آئی ہو مگر ناگی صاحب نے اس یک طرف دیکھا ہی نہ ہو۔ ان کی نظر مدیر "تخلیق" اظہر جاوید صاحب جیسی تیز تو ہے نہیں۔ پاکستان کے کسی بھی شہر میں کوئی خاتون غزل شروع ہی کرے تو وہ دیکھ لیتے ہیں۔

عورتوں سے باتیں کرنا اگر غزل ہے تو عورتوں کا باتیں کرنا نثری نظم ہوا۔ انیس ناگی نثری نظم پر نثار ہیں۔ وہ اپنی شاعری کی کتاب کے سر ورق پر "نظمیں" ضرور لکھواتے ہیں تاکہ قاری کتاب پڑھنے کے بعد پوچھتا نہ پھرے کہ یہ کس چیز کی کتاب ہے؟ غزل کی کلاسیکی تعریف کے حساب سے تو غزل گو پیدائشی ہوتا ہے اور یہی مسئلہ ہے۔

ہم سمجھتے تھے کہ صرف مرد یا عورت ہونا پیدائشی ہوتا ہے بہت کم شاعر ادیب افتخار نسیم ہوتے ہیں۔ بقول شخصے ان کی پیدائش پر والدہ نے دعا کی کہ خدا بیٹی دے' والد

نے خدا سے بیٹا مانگا اور خدا نے دونوں کی سن لی۔ خواتین تو اپنے حقوق کے لئے "حق" کرنے پر تیار ہو جاتی ہیں سابقہ حکومت نے تو خواتین کے لئے الگ سے تھانے بنائے تاکہ انہیں بھی مردوں کی طرح جرائم کرنے کی تمام سہولتیں میسر ہوسکیں۔ سواگر خواتین نے غزل کے جملہ حقوق محفوظ کرنے کا سوچ لیا تو وہ غزل کو مردوں سے باتیں کرنا قرار دیں گے کیونکہ پوری اردو شاعری اس کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے۔ امریکی ریسرچ کے مطابق بچے تک مرد کی نسبت عورت سے کہانی سننا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ گویا عورتوں میں کہانی کہنے کی پیدائشی خوبی ہوتی ہے۔ ادب میں بھی مرد لکھاریوں سے زیادہ خواتین لکھاریوں کے افسانے زبان زدعام ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود مرد افسانے لکھتے ہیں۔ ناول کا تو سائز دیکھ کر ہم سابندہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو ہے ہی زنانہ صنف سخن۔ عورتوں کے لئے چھوٹا کام کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ویسے بھی مختصر تحریر کی یہ بڑی خامی ہے کہ اسے بندہ پورا پڑھ سکتا ہے جبکہ چھ چھ سو صفحے کے ناول کتنے محفوظ ہوتے ہیں کسی ضخیم ناول نگار سے پوچھ لیں۔ عبداللہ حسین تو احتیاطاً یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ ناول پڑھ کر چھ ماہ تک کوئی تبصرہ نہ لکھے' چھ ماہ بعد ہی بندے کا غصہ اتر جاتا ہے۔ عورتوں میں تنقید کرنے کی بھی پیدائشی صلاحیت ہوتی ہے پھر بھی بیشتر نقاد مرد ہیں۔ ذرا سوچیں اگر شادی نہ ہوتی تو مردوں کو عمر بھر یہ پتہ ہی نہ چلتا کہ ان میں کیا کیا خامیاں ہیں۔ انیس ناگی صاحب ویسے ہی بڑے حساس ہیں۔ غزل ان کے لئے تکلیف دہ ہے' مسئلہ کہاں ہے یہ جاننا بھی ایک مسئلہ ہے۔ ہو سکتا ہے معاملہ اس سردار جی والا ہو جو کئی مسئلوں کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئے۔ انہوں نے اپنی انگشت شہادت سے بائیں کاندھے کو چھوا اور بولے "ڈاکٹر صاحب میں یہاں چھوتا ہوں تو بڑا درد ہوتا ہے۔" پھر انہوں نے اپنی بائیں کہنی دکھائی' بولے۔ "جب یہاں چھوتا ہوں تو بھی درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں۔" پھر اپنی انگلی گھٹنے پر رکھ کر کہا "جب میں اسے چھوتا

ہوں تو بھی درد ہوتا ہے۔" اوپر گئے اور کان پکڑ کر گویا ہوئے" ڈاکٹر صاحب کان کو چھوتا ہوں تو بھی درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں مجھے ڈاکٹر صاحب یہ بتائیں تکلیف کیا ہے؟"
ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد کہا "آپ کی انگلی ٹوٹی ہوئی ہے۔"

ooo

- ادبی خواتین

خواتین کے ادب میں پاکستان دنیا میں بلند مقام رکھتا ہے۔ یہاں خواتین کا بہت ادب کیا جاتا ہے۔ جہاں تک شاعر ادیب خواتین کی بات ہے تو ہمارے ہاں اتنی شاعری خواتین نے نہیں کی جتنی ان پر کی گئی پھر بھی ہمارا ادب' ادبی ہیروئنوں سے خالی نہیں۔ نوشی گیلانی نئی نسل کی وہ شاعرہ ہیں جسے شاعر لوگ ٹکٹکی باندھ کر سنتے ہیں۔ ایک مشہور شاعرہ ہونے کے لئے جو کچھ چاہیے اللہ نے انہیں سب کچھ دیا ہے' شعر بھی سنالیتی ہیں۔ ایسی شاعرہ ہیں جس کی موجودگی میں دوسری شاعرات' شاعر لگتی ہیں۔ آج کل وہ یونیورسٹی میں اردو کی استاد ہیں۔ اس سے پہلے وہ صرف استاد تھیں۔ استاد کا کام یونیورسٹی میں بھی صبر اور سبجیکٹ کا امتحان لینا ہی ہوتا ہے۔ نوشی کی پہلی کتاب "محبتیں جب شمار کرنا" کی تقریب میں اتنے وزیر شریک ہوئے کہ ہمیں لگا کتاب کا نام "وزارتیں جب شمار کرنا" ہے۔ سب نے نوشی گیلانی صاحبہ کی تعریفیں کیں۔ ایک صاحب نے کتاب پر بھی گفتگو کی۔ ہم نے وجہ پوچھی تو وہ صاحب بولے "میں نے صرف کتاب پڑھی ہے" مشاعروں میں نوشی گیلانی صاحبہ کو یوں سنا جاتا ہے جیسے کسی کی سنی جاتی ہے۔ حاضرین ایک دوسرے سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اپنی گردن پرے کرو مجھے ان کی آواز دکھائی نہیں دے رہی۔ ان مشاعروں میں منورجمیل قریشی نوشی کے ساتھ یوں آتے جیسے فلمی ہیروئنوں کے ساتھ ان کی نانی۔ ایسے شرمیلے کہ عورتوں سے گفتگو کرتے ہوئے بھی اپنے ہی جوتے دیکھ رہے ہوتے۔ وہ شاعر تھے مگر اپنی دوسری خامیوں کی طرح شاعری بھی چھپائے رکھی۔ ایسے ہی جیسے سینیٹر جہانگیر بدر صاحب اپنی تعلیم چھپاتے ہیں' کیا مجال گفتگو سے پتہ چلنے دیں کہ وہ اتنے پڑھے لکھے ہیں۔ یوں تو ہمارے شاعرخالد احمد صاحب بھی ہر کام چھپا کر کرتے ہیں۔ وہ تو نہا کر بھی آ رہے ہوں تو چہرے

سے پتہ نہیں چلنے دیتے۔ پہلے زمانے میں بین الاقوامی شاعر وہ ہوتا تھا جس کی شاعری دوسرے ملکوں تک پہنچے۔ آج کل شعراء شاعری اور شہرت دوسرے ممالک پہنچانے کے لئے خود اس ملک جاتے ہیں مگر وطن لوٹنے سے پہلے ہی ان کی شہرت اور شاعری گھر پہنچ چکی ہوتی ہے۔ نوشی صاحبہ نے بین الاقوامی شاعرہ بننے کے لئے امریکہ میں شادی کر لی یوں نوشی منور تعلقات پاک امریکہ تعلقات کی طرح ناقابل اعتبار ہو گئے۔

جب ہمیں پتہ چلا کہ طرفین شاعری کے حوالے سے ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہیں تو ہم نے سوچا نوشی گیلانی کہہ رہی ہوں گی کہ یہ شعر منور جمیل کے ہیں جبکہ منور جمیل کہہ رہے ہوں گے یہ سراسر مجھ پر تہمت ہے۔ یہ نوشی ہی کے ہیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گا۔ منور جمیل صاحب نے مقدمہ کر دیا کہ نوشی نے میری کتاب سے 47 غزلیں اور نظمیں چرا کر اپنی کتاب میں شامل کر لی ہیں۔ ایک زمانہ تھا مقدمہ کتاب کے شروع میں درج ہوتا' اب کتاب کے بعد درج کرایا جاتا ہے' ہمیں منور جمیل سے ہمدردی ہے' وہ دکھی نہ بھی ہوں تب بھی انہیں دیکھ کر تسلی دینے کو دل چاہتا ہے۔ اب تو وہ نوشی کے اتنے خلاف ہیں کہ سگریٹ نوشی کو بھی برا سمجھنے لگے ہیں۔ وہ اس شاعر کی طرح ہیں جس نے لکھا تھا "میری محبوبہ کو میری شاعری' لباس باتیں سب کچھ پسند تھا بس میں پسند نہ تھا۔" منور جمیل کی کتاب "دیکھو یہ میرے زخم ہیں" وہ ادبی حادثہ ہے جس سے زیادہ زخم نوشی گیلانی کو لگے ہیں۔ کارل مارکس نے کہا تھا "دنیا بھر کے مزدور اکٹھے ہو جائیں تو کچھ نہ کھائیں گے سوائے اپنی زنجیروں کے" منور جمیل کے پاس کھونے کو جو تھا وہ تو پہلے کھو چکے ہیں جہاں تک چوری کی بات ہے تو ہم سمجھتے ہیں چوری اور اردو شاعری لازم و ملزوم ہیں۔ محبوب دل سکون' نیند اور دوسری چیزوں کے علاوہ آنکھیں بھی چراتا ہے ذرا سوچیں محبوب کو چوری کی عادت نہ ہوتی تو ادب کا کیا رہ جاتا۔ ہماری شاعری بالخصوص غزل' چور خواتین یعنی محبوباؤں کی وجہ سے چل رہی ہے اور نوشی بھی "محبوب" شاعرہ ہیں۔

خواتین کسی شعبے میں بھی ہوں شے میں ہی ہوتی ہیں۔ ایک مشہور امریکی مصنف نے ٹیکسی

روکی اور ڈرائیور کو گھر کا پتا بتا کر پچھلی سیٹ پر ٹیک لگا کر کوئی رسالہ پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس کی نظر ڈرائیونگ سیٹ پر پڑی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تجسس بھرے لہجے میں پوچھا "تمہیں یہ کام پسند ہے؟" لڑکی نے جواب دیا "ہاں" "مرد تو چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے؟" لڑکی بولی "ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا؟" پوچھا "باقی لوگ تم سے کس قسم کے سوال کرتے ہیں؟" لڑکی نے آرام سے انڈیکیٹر دیتے ہوئے موڑ کاٹا اور ٹیکسی کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے کہا "پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ تمہیں یہ کام پسند ہے؟" دوسرا سوال یہ کہ مرد تم سے چھیڑ چھاڑ تو نہیں کرتے اور آخر میں پوچھا جاتا ہے' باقی لوگ تم سے کس قسم کے سوال کرتے ہیں؟" جیسے رومیوں میں وصیت کے متن سے لکھنے والے کے قد اور کردار کا اندازہ لگایا جاتا' فلموں میں سب سے بڑی ہیروئن کا فیصلہ درزی کرتا ہے' ادب میں خواتین لکھاریوں کے قد ماپنے کا پیمانہ بھی اور ہی ہے۔ بقول کشور ناہید "لکھنے والیوں کو نمبر پہلے شکل و صورت اور خوبصورتی کے لحاظ سے پھر شوہر کے عہدے کے لحاظ سے اور آخر میں ادب کے حساب سے ملتے ہیں۔" اگرچہ اس بیان سے یہی لگتا ہے کہ محترمہ یہ بتانا چاہ رہی ہیں کہ ان کو نمبر ادب کی وجہ سے ملے ہیں۔ جیسے ایک تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ میڈیکل کالجوں میں لڑکیاں اس لئے زیادہ نمبر لینے لگی ہیں کہ مرد ممتحن زیادہ ہو گئے ہیں' ادب میں بھی خواتین کے بلند پایہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ سارے نقاد مرد ہیں۔ جہاں تک شاعروں کی بات ہے انہیں تو پتہ چلے کہ کوئی خاتون شعر لکھنے کا سوچ رہی ہے تو وہ غزل لکھ کر اسے دینے چل پڑتے ہیں۔ منور جمیل نے اسی شعبے میں نام کمایا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ منور جمیل چونکہ مرد ہیں' اس لئے وہ ایسے شعر کیسے لکھ سکتے ہیں جو نوشی کی کتاب میں ہیں۔

کچھ نہیں مانگتی تجھ سے اے میری عمر رواں
میرا بچپن، میرے جگنو، میری گڑیا لا دے

یا

میرے وجود کو اسی شہر میں اتارا گیا
جہاں پہ بھائی بھی بہنوں پر آنکھ رکھتا ہے

کچھ ایسا ہی معاملہ پروین شاکر کے ساتھ پیش آیا تو انہوں نے کہا "لوگ کہتے ہیں پہلے مجھے میرے نانا لکھ کر دیتے تھے اور اب احمد ندیم قاسمی لکھ کر دینے لگے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کوئی مرد اس قسم کے شعر لکھ سکتا ہے۔

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی

اس پر خامہ بگوش نے لکھا "اردو شاعری میں کئی ایسے نانا جان گزرے ہیں جنہوں نے اس قسم کی شاعری کی ہے۔ اس وقت انشاء اللہ خاں انشاء اور سعادت یار رنگین یاد آ رہے ہیں جن کے دیوانوں میں اس قسم کے سینکڑوں شعر ملتے ہیں۔ جو ان کی نواسیوں سے منسوب ہوتے تو اچھا لگتا۔ نمونے کے طور پر دونوں کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

میں ترے صدقے نہ رکھ اے مری پیاری روزہ
بندی رکھ لے گی ترے بدلے ہزاری روزہ

(انشاء)

گرمی کے مارے ناک میں آئی ہے مری جان
باجی اوڑھا دے لا کے کوئی ہلکی اوڑھنی

(سعادت)

بقول خامہ بگوش "ڈیڑھ سو سال پہلے اسی قسم کی شاعری کو ریختی کہا جاتا تھا۔ آج کل اسے خوشبو' خود کلامی اور صدبرگ جیسے خوبصورت ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔"

ہم نے نوشی کی کتاب پڑھی' وہ ہمیں اچھی اور اوریجنل لگی۔ سموئیل جانسن نے ایسے ہی ایک ادیب کو لکھا تھا۔ "آپ کا مسودہ اچھا بھی ہے اور اوریجنل بھی۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو حصہ اچھا ہے وہ اوریجنل نہیں جو اوریجنل ہے وہ اچھا نہیں۔" نوشی گیلانی کی پہلی کتاب معیاری تھی۔ اب تو نوشی کی شاعری منور جمیل کی لگنے لگی ہے۔ رنگ ہی بدل گیا ہے ایسے ہی جیسے ریڈی میڈ کی دکان پر ایک شخص زردی مائل سوٹ کا بھاؤ تاؤ کر رہا تھا۔ دکاندار نے اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی اور کہا جناب اس سوٹ کا رنگ آپ کے رنگ روپ سے ملتا ہے اس شخص نے جل کر کہا "درست ہے مگر قیمت معلوم ہونے سے پہلے میرا رنگ ایسا نہ تھا۔" منور جمیل قریشی عدالت کے بجائے تھانے سے رجوع کرتے تو اب تک کوئی حوالدار مال مسروقہ' نوشی کے ہی نہیں پروین شاکر اور کشور ناہید کے دیوانوں سے بھی برآمد کر لیتا۔ ہمیں لگتا ہے منور جمیل مال مسروقہ کی برآمدگی سے زیادہ چور کی برآمدگی میں دلچسپی رکھتے ہیں جو ممکن نہیں کیونکہ اسے تو امریکہ برآمد کر دیا گیا ہے۔ امریکہ میں کسی کے نام پر لکھنے والے رائٹر کو گھوسٹ رائٹر یعنی بھوت ادیب کہتے ہیں۔ اس حساب سے منور جمیل پاکستان کے بھوت شاعر ہیں۔ اگرچہ دیکھنے میں وہ ایسے نہیں لگتے پھر وہ بولنے لگتے ہیں اور یقین کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ میں مقدمے کرنا بھی ایک پیشہ ہے جو بڑا منافع بخش ہے۔ منور جمیل نے شاید اسی لئے نوشی کے امریکی ہوتے ہی مقدمہ کر دیا ہے لیکن معاملہ الٹ بھی ہو سکتا ہے۔ امریکہ کا ایک سچا واقعہ ہے ایک چور کو گھر کے مالک نے سامان چراتے دیکھ کر گولی

چلا دی جو چور کے ہاتھ میں لگی۔ اس نے عدالت میں کیس کر دیا کہ گولی لگنے سے اس کا ہاتھ ناکارہ ہو گیا ہے اب وہ چوری نہیں کر سکتا جو اس کا واحد ذریعہ آمدن تھا۔

عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ دیا اور اسے لاکھوں ڈالر ملے۔ منور جمیل کو اور کچھ نہ ملے شہرت تو مل رہی ہے اور بندہ مشہور ہونے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے یہاں تک کہ شاعری بھی.......!

ooo

• زنانہ پنجاب

عنوان سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم حنیف رامے کے بارے میں لکھنا چاہ رہے ہیں۔ دراصل ہم نے 1998ء کی مردم شماری کے اخبار میں تازہ رپورٹ پڑھی ہے۔ اگرچہ جھوٹ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک سفید جھوٹ اور دوسرے سرکاری اعداد و شمار۔ بجٹ کو اعداد و شمار کی شاعری اور مردم شماری' اعداد و شمار کی نثری نظم ہوتی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق پنجاب میں فی مربع کلو میٹر کے حساب سے مرد کم ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ جب ہم نے یہ رپورٹ پڑھی تھی کہ کویت میں مرد کم اور عورتیں زیادہ ہیں تو ہم نے فوراً یقین کر لیا تھا کیونکہ ہمیں اس کا تب ہی پتہ چل گیا تھا جب عراق نے کویت پر قبضہ کیا تھا لیکن پنجاب کے زنانہ ہونے کی خبر ہمارے لئے نئی ہے۔ کسی مغربی ملک کے ائیر پورٹ پر اترو تو یہ یہی لگتا ہے کہ یہاں کے مرد ہڑتال پر ہیں۔ ہمارے سفرنامہ نگاروں کی تحریروں کے حساب سے تو وہاں شہر مردوں سے خالی ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہاں کے مرد ہمارے سفرنامہ نگاروں کے آنے کی خبر سنتے ہی شہر خالی کر دیتے ہوں لیکن لاہور ائیر پورٹ پر اترتے ہی بندے کو لگتا ہے یہاں عورتیں کم ہی رہتی ہیں۔

پتہ نہیں مردم شماری والوں کو مردوں سے زیادہ عورتیں کیسے نظر آ گئیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عورت ایک بھی ہو تو کئی مردوں سے زیادہ نظر آتی ہے۔ ہم نے تاشقند میں ایک خاتون سے پوچھا "آپ کے مرد کہاں ملتے ہیں؟" بولی "واڈکا کی خالی بوتل کے پاس۔" ہو سکتا ہے پنجاب کی کسی عورت سے یو پوچھا جائے تو وہ کہے "حکومت میں" حکومت میں تو وہ اپنی اہلیت اور قابلیت کی وجہ سے ہیں' جیسے کہتے ہیں جب نواز شریف اور کلنٹن ملے تو کھانے کے بعد کلنٹن نے نواز شریف کو بتایا "میں تو اپنی

کابینہ کے ممبران کی اہلیت و قابلیت کا امتحان لے کر انہیں منتخب کرتا ہوں۔" یہ سن کر نواز شریف بڑے حیران ہوئے پوچھا "آپ ان کی اہلیت و قابلیت کا امتحان کیسے لیتے ہیں؟" بل کلنٹن نے کہا "ایک منٹ میں دکھا دیتا ہوں۔" کلنٹن نے میڈیلین البرائٹ کو بلایا اور کہا "میڈیلین البرائٹ مجھے بتاؤ وہ کون ہے جو آپ کے والد کی اولاد ہے اور آپ کی ماں کا بچہ ہے مگر آپ کا نہ بھائی لگتا ہے نہ بہن۔" میڈیلین نے کہا "بہت آسان ہے وہ میں ہوں۔" کلنٹن نے میڈیلین کی تعریف کی۔ نواز شریف بہت متاثر ہوئے جب اسلام آباد آئے تو امریکی کابینہ کے ارکان کی ذہانت کے بہت کے معترف تھے۔ انہوں نے اپنی کابینہ کی ذہانت چیک کرنے کے لئے سرتاج عزیز کو بلایا اور کہا۔ "سرتاج عزیز بتاؤ وہ کون ہے جو آپ کے والد کی اولاد ہے اور آپ کی ماں کا بچہ ہے مگر آپ کا نہ بھائی لگتا ہے نہ بہن" سرتاج عزیز نے سوچا' جواب نہ بن پڑا تو کہا "مجھے سوچ بچار کے لئے 24 گھنٹے عنایت کر دیں" نواز شریف نے کہا "پرانے ساتھی ہو' تمہیں یہ مہلت دے دیتا ہوں۔" سرتاج عزیز دیکھنے میں بھی "پرانے" ساتھی ہی لگتے ہیں۔ پھر ان کا سر بھی تاج لگتا ہے۔ بہرحال انہوں نے سوچا' جواب نہ بن پڑا۔ انہوں نے کیبنٹ سیکرٹری' چیف سیکرٹری اور جائنٹ سیکرٹری کو بلوایا۔ پورا بجٹ تیار ہو گیا مگر جواب نہ ملا۔ 20 گھنٹے گزر گئے۔ سرتاج عزیز بڑے فکر مند ہوئے۔ صرف 4 گھنٹے بچے تھے۔ انہوں نے بالآخر جارج فرنینڈس کو فون کیا اور پوچھا "وہ کون ہے جو آپ کے باپ کی اولاد ہے آپ کی ماں کا بچہ ہے مگر آپ کا نہ بھائی لگتا ہے نہ بہن۔" جارج فرنینڈس نے کہا "بہت آسان' وہ میں ہوں۔" سرتاج عزیز خوش ہوئے۔ انہوں نے نواز شریف کو فون کیا کہ وزیراعظم صاحب' مجھے اس سوال کا جواب مل گیا ہے اور جواب ہے "جارج فرنینڈس" اس پر نواز شریف نے ناراض ہوتے ہوئے کہا "یہ جواب غلط ہے' صحیح جواب ہے میڈیلین البرائٹ۔"

انتظار حسین کہتے ہیں گنتی انسان کی سب سے بڑی ایجاد ہے۔ ظاہر ہے گنتی نہ ہوتی تو نواز شریف کو اتنا بڑا مینڈیٹ کیسے ملتا۔ سو موجودہ حکومت کی کامیابی کا راز ہی گنتی

ہے گنتی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگا لیں ہمارے ایک سابق وزیر کے بیٹے کے نمبر کم آئے تو انہوں نے کہا "گنتی دوبارہ کروائیں' دھاندلی ہوئی ہے۔" ہمیں یہ سمجھ نہیں آیا کہ نواز شریف کی حکومت کے ہوتے ہوئے پنجاب میں مرد کم کیسے ہو گئے۔ ہو سکتا ہے بے نظیر اس کا ذمہ دار نواز شریف کو ٹھہرائیں۔ جب محترمہ بے نظیر بھٹو وزیراعظم تھیں تو سروے رپورٹ آئی تھی کہ پاکستان میں عورتیں کم ہو گئی ہیں اور ہر دس مردوں میں سے ایک عورت نہ ملنے کی ووجہ سے کنوارہ رہ جائے گا۔ اس رپورٹ کے بعد اکثر کنوارے مصطفیٰ کھر کو یوں گھور کر دیکھتے جیسے یہ سب ان کی وجہ سے ہوا ہے۔ بے نظیر دور میں تو ہم نے سوچا شاید عورتیں اس لئے کم ہو گئی ہیں کہ وہ سیاست میں آ گئی ہیں کیونکہ جو عورت سیاست میں آ جاتی ہے پھر وہ عورت نہیں' سیاستدان ہوتی ہے۔

مردم شماری میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پنجاب میں شادیاں بھی کم ہو گئی ہیں۔ ہو سکتا ہے انہوں نے شادی کم ہونے سے حساب لگایا ہو کہ مرد کم ہو گئے ہیں۔ کیونکہ زیادہ شادیاں مردوں کی مرہون منت ہوتی ہیں ایک اکیلا مرد چار عورتوں جتنی شادیاں کر سکتا ہے ایسے ہی مردوں کی دوبئی کے ایک ہوٹل میں تقریب ہونا تھی سو عربوں کو اپنی بیویوں سمیت ایک ہوٹل کے ہال میں مدعو کیا گیا تھا لیکن یہ تقریب اس لئے اس ہال میں منعقد نہ ہو سکی کیونکہ ہال میں صرف چار سو نشستیں تھیں۔ امریکہ میں عورتیں زیادہ ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہاں کے صدر بل کلنٹن ہیں۔ اگر مرد زیادہ ہوتے تو ہلیری امریکہ کی صدر ہوتی۔ شہباز شریف کے ہوتے ہوئے یہ کہنا مشکل ہے کہ پنجاب میں مرد کم ہو گئے ہیں۔ شاید یہ کمی شہباز شریف کے بیرون ملک جانے سے آئی ہو یا پھر مردم شماری والوں نے وفاقی حکومت کی پالیسیوں سے یہ اندازہ لگایا ہو۔

- ”رفیق“ القلب

عمران خان بڑے ”رفیق القلب بندے ہیں۔ فارغ ہوں تو نواز شریف کا ذکر کرتے ہیں‘ مصروف ہوں تو صدر رفیق تارڑ پر گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ صدر تو خیر ہیں ہی اس لئے کہ لوگوں کو گفتگو کرنے کے لئے موضوع مل سکے۔ آج کل ہر کوئی صدر پرائے زن ہے‘ یہاں زن سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ صدر کی مثال اس خاتون کی سی ہے جس کی گاڑی کو سامنے آتے ہوئی کار نے ٹکر ماردی تو خاتون نہایت غصے کے عالم میں کار سے نکلی اور چیخ کر بولیں ”تم لوگ آخر کس طرح گاڑی چلاتے ہو‘ جانے تمہارا دھیان کہاں ہوتا ہے۔ صبح سے چوتھی گاڑی ہے جو میری گاڑی سے ٹکرائی ہے۔“ بیگم نسیم ولی خان تو کہتی ہیں رفیق تارڑ برائے نام صدر ہیں حالانکہ وہ برائے نام رفیق ہیں۔ عمران خان صاحب نے اخباری بیان میں اس پر افسوس کا اظہار کیا ہے صدر کے عہدے پر روزانہ 30 لاکھ خرچ آتا ہے۔ انہوں نے جس اعتماد سے یہ فگرز بتائے ہم نے فوراً یقین کر لیا کیونکہ فگرز پر عمران خان کی تب بھی بڑی نظر ہوتی تھی جب ابھی وہ کرکٹر ہی تھے۔ کرکٹ میں وہ آل راؤنڈر تھے۔ سیاست میں انہوں نے خود کو فاسٹ باؤلر ثابت کیا اور ”رن“ آؤٹ ہوئے۔ ہم یہ تو نہیں کہتے وہ سیاست میں بلیک میل ہوئے۔ ہاں سیتا نے انہیں وائٹ میل ضرور کیا۔ ویسے تو الیکشن میں ہارنے کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہوتی ہے کہ آپ کو مخالف امیدوار سے کم ووٹ ملتے ہیں۔ ہمیں بھی یہ خبر پڑھ کر افسوس ہوا ہے کہ آج کل صدر کے عہدے پر 30 لاکھ روزانہ خرچ آتا ہے۔ یہ صدر رفیق تارڑ سے زیادتی ہے ورنہ پہلے تو صدور پر ستر ستر لاکھ روزانہ خرچ آتا تھا اس سے اندازہ لگالیں نواز شریف نے تارڑ صاحب کی حیثیت کتنی کم کر دی ہے یا پھر صدر تارڑ نے خود کو سستا کر دیا ہے۔ ایک صاحب بڑے فخر سے اپنے بچے کے میٹرک کے نمبر بتا کر اسے داد دے رہے تھے۔ ہم نے

عرض کیا یہ تو اتنے کم نمبر ہیں ان پر بچے کو داد چہ معنی دارد؟ بولے "اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میرا بیٹا نقل نہیں کرتا کیونکہ نقل کرنے والا اتنے کم نمبر لے ہی نہیں سکتا۔" سو صدر کے عہدے کے اس خرچے سے لگتا ہے تارڑ صاحب کتنے شریف صدر ہیں۔ اپوزیشن تو انہیں کہتی ہی "شریف" صدر ہے۔ اس سے پہلے صدور پر زیادہ خرچ شاید اس لئے آتا کہ ان کا کام بھی زیادہ ہوتا تھا جیسے کریملن کی ملازمہ نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا "میرا اور صدر یلسن کا ایک سا کام ہے بس یہ فرق ہے مجھے صرف کریملن کی صفائی کرنا ہوتی ہے جبکہ صدر یلسن کو پورے روس کی۔" سو پہلے صدور کو اسمبلی کی صفائی بھی کرنا ہوتی تھی جبکہ تارڑ صاحب کے ذمے تو صرف ایوان صدر کی صفائی ہے۔ نواز شریف نے صدر کا عہدہ تارڑ صاحب جتنا کر کے اپنی بے خواب کا علاج کیا تھا۔ ایک مریض ڈاکٹر کے پاس آیا کہا "جب بستر پر لیٹتا ہوں مجھے لگتا ہے کوئی نیچے ہے' جب نیچے دیکھتا ہوں تو لگتا ہے اوپر کوئی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا "پانچ سال کے لئے ہر ہفتے آپ کو میرے پاس سیشن کے لئے آنا ہوگا' امید ہے تم ٹھیک ہو جاؤ گے" وہ مریض ایک ہفتے کے بعد ہی غائب ہو گیا۔ سال بعد ڈاکٹر کو سڑک پر ملا۔ ڈاکٹر نے طبیعت کا پوچھا تو وہ بولا "میں ایک سیانے کے علاج سے بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔" ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا "کیسے؟" وہ بولا "اس نے میرے بستر کی ٹانگیں کاٹ دیں۔"

کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنی زندگی میں ہی انتقال کر جاتی ہیں جیسے حفیظ جالندھری صاحب زندگی میں ہی مرحوم ہو گئے تھے۔ ایسے ہی کچھ صدر' ایوان صدر میں رہتے ہوئے بھی سابق صدر ہی لگتے ہیں۔ ہم نے ایک شخص سے پوچھا۔ "امریکہ میں ذہین آدمی کو کیا کہتے ہیں؟"

بولا "ٹورسٹ"

پوچھا "وہاں بد کردار کو کیا کہتے ہیں"

بولا "صدر"

ہمارے ہاں بے اختیار شخص کو صدر کہتے ہیں۔ گورنر پنجاب کی سرگرمیاں دیکھ کر لگتا ہے گورنر دراصل وزیر تقریبات ہوتے ہیں اور صدر پاکستان دراصل اب صدر تقریبات ہی ہیں۔ کلنٹن جب سے ورجن آئس لینڈ گیا ہے امریکی اس علاقے کا نام ورجن سے تبدیل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ اسی لئے ایوان صدر میں صدر تارڑ کے آنے سے وہ مسجد لگنے لگا ہے اور مسجد میں عبادت ہوتی ہے یا پھر دعا' اسی لئے اپوزیشن کہتی ہے صدر دعا کے سوا کسی کو کچھ نہیں دے سکتے۔ کہتے ہیں ایک افسران کے پاس گئے کہ مجھے پرموشن دلوا دیں تاکہ میں دلجمعی سے ملک وقوم کی خدمت کر سکوں تو صدر صاحب نے فرمایا "آدمی کو ملک و قوم کے لئے بغیر کسی لالچ کے کام کرنا چاہیے' مجھے دیکھ لو مجھے ایک بھی پرموشن نہ ملے پھر بھی میں اس عہدے پر تاحیات کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔" خاموشی ہو تو سیاست دان بولنے لگتے ہیں۔ آج کل عوام چپ ہیں ہو سکتا ہے عمران خان ایسی باتیں کرکے عوام کو بلوانا چاہتے ہیں۔ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے گلاسناسٹ کے بعد گورباچوف نے یہ جاننے کے لئے کہ روسی بولنے لگے ہیں یا نہیں' ایک فیکٹری کو ماڈل چنا۔ انہوں نے فیکٹری کے مزدوروں کو بلا کر کہا "آج سے تمہاری مزدوری کے اوقات ڈبل کر دیئے جاتے ہیں۔" کوئی نہ بولا گورباچوف نے پھر اعلان کیا "تمہاری تنخواہیں آدھی کی جا رہی ہیں" کوئی نہ بولا گورباچوف کو بڑا غصہ آیا اس نے کہا "کل تم سب کو پھانسی دے دی جائے گی۔" یہ سن کر سب چپ بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک سیانا بندہ ذرا سا ہلا۔ گورباچوف خوش ہوا اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا "گھبراؤ نہیں منہ کھولو۔" وہ بولا "سر مجھے یہ پوچھنا ہے کہ پھانسی کے لئے رسیاں ہمیں خود لانی ہیں یا سرکار دے گی۔" بہرحال عمران خان کے اس بیان سے صدر کے خلاف یہ پراپیگنڈا تودم توڑ گیا ہے کہ ان کے پاس کرنے کو کچھ نہیں۔ صاحب! روزانہ 30 لاکھ خرچ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ ہم تو 30 لاکھ کا سوچ لیں تو دن نہیں گزرتا۔

• بے وقوفانے

بے وقوف ہونا کوئی عقلمندی نہیں۔ اس کے باوجود لوگ بے وقوف ہوتے ہیں۔ آپ خاموش رہ کر عقلمند کہلوا سکتے ہیں۔ مگر بیوقوف نہیں اس کے لئے آپ کو بہت بولنا پڑتا ہے۔

کہتے ہیں کائنات میں ہائیڈروجن اور حماقت ہی دو ایسے عنصر ہیں جو سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں انسان نے اپنی ذہانت سے حماقت ایجاد کی ہے جیسے صرف 99 فیصد پولیس والوں کی وجہ سے باقی پولیس والے بھی بدنام ہیں۔ ایسے ہی صرف 99 فیصد بے وقوفوں کی وجہ سے باقی بے وقوفوں کے بارے میں لوگوں کی رائے خراب ہے حالانکہ پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد وہاں کے بے وقوفوں کی ایک تنظیم نے اعلان کیا ہے چونکہ تاریخ گواہ ہے لڑائیاں اور جنگیں عقلمندوں کی وجہ سے ہوتی ہیں اور امن کا باعث بے وقوف ہیں' اس لئے بھارت کی حکومت بے وقوفوں کے حوالے کر دی جائے حالانکہ ہمارا خیال تھا کہ ایٹمی حماقتوں کے بعد انہیں اسے اپنی حکومت ہی سمجھنا چاہیے تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں بے وقوف نہ ہوتے تو دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔ یہ بھی سچ ہے کہ عقلمند نہ ہوتے تو انسان ابھی تک جنگلوں میں رہ رہا ہوتا اور اتنا خونخوار نہ ہوتا۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ دنیا میں جمہوریت نہیں یہی کافی ہے کہ دنیا میں عقلمندوں کی حکومت ہے۔ مارک ٹوئن تو کہتا ہے "ہمیں چاہیے کہ بے وقوفوں کا شکریہ ادا کریں یہ نہ ہوتے تو ہم کامیاب نہ ہو سکتے۔" کہتے ہیں ہر شخص دن میں پانچ منٹ کے لئے بے وقوف ہوتا ہے۔ ذہین وہ ہے جو اس مدت کو بڑھنے نہ دے۔ پاکستان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں ایماندار دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں بددیانتی کا موقع نہیں ملتا اور دوسرے وہ جو بے وقوف ہوتے ہیں۔

ویسے بھی دنیا میں آدھے لوگ پورے نہیں۔ بے وقوفوں کا حکومت طلب کرنا ایسا کام

ہے کہ اسکے بعد انہیں بے وقوف کہنا عقلمندی نہیں۔ ویسے بھی بے وقوف اتنے بے وقوف نہیں ہوتے جتنے نظر آتے ہیں۔ نہ کوئی عقلمند اتنا عقلمند ہوتا ہے جتنا دکھتا ہے جیسے ایک سکالر ٹرین میں بڑا بور ہو رہا تھا اس نے ساتھ والے کو جگا کر کہا آؤ مصروف رہنے کے لئے کچھ کھیلتے ہیں۔ میں تم سے سوال پوچھتا ہوں اگر تمہیں جواب نہ آیا تو پانچ ڈالر دوں گا۔ اگر میں سوال کا جواب نہ دے سکا تو 50 ڈالر دوں گا۔ سکالر نے پوچھا "زمین کا چاند سے فاصلہ کتنا ہے؟" اس شخص نے جیب سے پانچ ڈالرنکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ سکالر نے اسے فاصلہ بتایا اور کہا "اب تمہاری باری ہے۔" بے وقوف نے سوچا اور بولا "بتاؤ وہ کون ہے جو پہاڑی پر تین ٹانگوں سے جاتا ہے مگراترتے وقت اس کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں؟" سکالر نے بڑا سوچا مگر جواب نہ دے سکا۔ اس نے اپناوالٹ کھولا اور 50 ڈالر دے دیئے اور پوچھا "اس کا جواب کیا ہے؟" بےوقوف بولا "مجھے نہیں معلوم" اور پانچ ڈالر نکال کر سکالر کو دے دیئے۔

○○○

• نوبل "پیس" پرائز

پھولن دیوی پہلے ڈاکو تھی پھر اس نے یہ کام چھوڑ دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ کچھ ایسا کرے جس سے اپنے سابقہ تجربے سے فائدہ اٹھا سکے۔ آج کل وہ سیاست دان ہے۔ اس کے سیاست دان ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ اس نے نوبل "پیس" پرائز کے لئے خود کو نامزد کر دیا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ اس نے امن کے لئے بڑی لڑائیاں لڑیں لیکن پھر بھی ہمارے خیال میں "پیس" پرائز کے مستحق صدر کلنٹن ہیں جس موسم میں لوگ تھری پیس میں ہوتے وہ اس موسم میں بھی فور پیس میں ملتے۔ تھری پیس پہنا ہوتا ایک "پیس" ساتھ ہوتا۔ دنیا میں نہ سہی انھوں نے وائٹ ہاؤس کے کونے کونے میں "پیس" پھیلا دیا۔ جب وہ آرکنساس کے گورنر تھے ان دنوں آرکنساس میں شریف لڑکی اسے کہا جاتا جو گورنر سے تیز بھاگ سکتی۔ ایک صحافی نے کلنٹن سے روانڈا کے بارے میں پوچھا تو بولے "یہ مجھ پر الزام ہے میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔" ایک امریکی اخبار کے مطابق اگر کلنٹن مونیکا کے بجائے خارجہ پالیسی پر توجہ دیتے تو ایٹمی بحران ٹل جاتا۔ ہم سمجھتے ہیں اگر پولیس توجہ نہ دے تو جرائم ختم ہو سکتے ہیں۔ ایسے ہی امریکہ توجہ نہ دے تو دنیا میں امن ہو سکتا ہے۔ کچھ کا خیال ہے 1997ء کا نوبل پیس پرائز تو پاؤلا جونز کو ملنا چاہیے وہ عام زندگی میں تو اپیل نہیں کرتی البتہ کورٹ میں پھر اپیل کرنے کا سوچ رہی ہے۔ اس کی وجہ سے امریکہ کی پارلیمنٹ میں بل کم پیش ہوئے' عدالتوں میں بل صاحب زیادہ پیش ہوئے۔ کہتے ہیں اگر پاؤلا جونز کلنٹن کو مصروف نہ رکھتی تو وہ عراق پر حملہ کر دیتا۔ پاؤلا نے کلنٹن کی پاوَلی کم کر دی۔ اس کا اندازہ اس سے لگا لیں کہ ہلیری ایک دن واک کر رہی تھی۔ اسے ایک بچہ کتے کے پلوں کی ٹوکری میں بیٹھا نظر آیا۔ پلوں کو دیکھ کر ہلیری خوش ہوئی بچے نے کہا "یہ سب ڈیموکریٹس ہیں" ہلیری کا موڈ اور بہتر ہو گیا۔ چند روز بعد وہ کلنٹن کے ساتھ وہاں

سے گزر رہی تھی وہی بچہ پلوں سے کھیلتا نظر آیا ہلیری نے کلنٹن سے کہا "آؤ تمہیں ایک چیز دکھاتی ہوں۔" اس نے بچے سے پوچھا "یہ کون ہیں؟" بچہ بولا "یہ ری پبلکن ہیں!" ہیلری نے کہا "چند روز پہلے تو تم کہہ رہے تھے یہ ڈیموکریٹس ہیں" بچہ بولا "اب انہوں نے آنکھیں کھول لی ہیں۔"

• انج من اور انج ٹن

1999ء کی اچھی خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ اداکارہ انجمن صاحبہ نے دوبارہ انجمن ارائیاں شروع کر دی ہیں۔ یہاں انجمن ارائیاں سے مراد ارائیوں کی انجمن نہیں۔ ایک زمانہ تھا جب وہ فلم انڈسٹری پر چھائی ہوئی تھی' یہاں چھائی ہوئی لکھنے کی وجہ اس کا وسیع و عریض ہونا نہیں بلکہ اس کا بہت بڑا ہونا تھا۔ ان دنوں خبر چھپی کہ صدر کلنٹن نے اپنی حلیف برادری کی تقریب کے لئے دنیا کی جن شخصیات کو کارڈ بھیجے ان میں اداکارہ انجمن بھی شامل ہے۔ دوسری اداکاراؤں نے اعتراض کیا کہ کلنٹن کو پاکستان فلم انڈسٹری میں انجمن ہی نظر کیوں آئی۔ اس پر ہم نے لکھا وہ "اتنی بڑی" اداکارہ ہے کہ اگر امریکہ سے دیکھا جائے تو اتنے فاصلے سے وہ ہی نظر آئے گی' اسی لئے اسے بلایا گیا ہو گا۔ انہی دنوں ایک بچہ اپنے والد کے ساتھ اداکارہ انجمن کو دیکھنے فلم سٹوڈیو گیا۔ شاہ نور سٹوڈیو میں اس کی انجمن سے ملاقات ہو گئی۔ بچے نے انجمن کو دیکھنا شروع کیا۔ کافی دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا تو والد نے تنگ آ کر کہا "بیٹا جتنی آج دیکھ سکتے ہو دیکھ لو باقی کل آ کر دیکھ لینا۔" ان دنوں کسی کمزور شخص میں خواہ کتنی ہی صلاحیتیں کیوں نہ ہوتیں ہم انہیں اپنی ذات میں "انجمن" کہتے ہوئے ہچکچاتے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی کمزور کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ "انجمن" نہیں ہو سکتا۔ آج بھی جب تک دو تین عورتیں اکٹھی نہ ہوں ایک ادبی "انجمن" نہیں بنتی۔ ویسے ایک بار اداکارہ انجمن نے اپنے شاعرہ ہونے کا انکشاف بھی کیا تھا۔ وہ شاعر ہونے کا انکشاف بھی کرتیں تو ہم فوراً مان لیتے۔ انہوں نے ایک دو غزلیں بھی سنائیں۔ غزل سنا رہی تھیں تو لگتا تھا غزل دکھا رہی ہیں۔ وہ بھی یوں کہ پتہ نہ چلتا شعر اور سامع میں کس کس کو کب کب سکتہ پڑا۔ ان دنوں کوئی کہتا فلاں جگہ پر ادبی اجتماع ہو رہا ہے تو ہم سمجھتے

اداکارہ انجمن جمع ہو رہی ہے۔ ادب میں وہ پوری طرح نہ آئیں ورنہ "ادب" لفظ سے گزارا نہ ہوتا۔ اس کی جگہ "آداب" استعمال کرنا پڑتا۔ ان کے پاس "انجمن" جیسا تخلص تھا کہ صرف جس تخلص کے تلے مشاعرہ ہو سکتا ہے۔ وہ زمانہ سلطان راہی کے عروج کا تھا۔ انجمن سلطان راہی کے بغیر یوں تھی جیسے سلطان راہی بغیر مونچھوں کے' وہ پنجابی فلموں کی نمائندہ اداکارہ تھی۔ اسے ہی دیکھ کر شاید پاکستان کے چھوٹے صوبوں نے یہ شور مچانا شروع کیا کہ پنجاب لوٹ کر کھا گیا ہے۔ رقص ایسا کرتی کہ ایک دفعہ لندن کی ایک سڑک پر فلم کے لئے یہ کچھ کر رہی تھی کہ وہاں کے ایک جم نے ایشین کو ورزش کرانے کے لئے اسے انسٹرکٹر بننے کی آفر کر دی جیسے مسرت شاہین رقص کرتی تو لگتا کوئی شاہین مسرت کا اظہار کر رہا ہے۔ انجمن کا رقص تو دیکھنے سے بھی ورزش ہو جاتی۔ اداکارہ کو جب پتہ چلے کہ وہ بوڑھی ہو رہی ہے تو وہ سیاست میں آ جاتی ہے یا شادی کر لیتی ہے۔ انجمن اتنی بڑی اداکارہ تھی کہ اگر وہ سیاست میں آ جاتی تو کنبیوں کے لئے جگہ ہی نہ بچتی لیکن محترمہ نے شادی کر لی۔ کہتے ہیں انجمن کا انکم ٹیکس اتنا ہو گیا تھا کہ اسے ادائیگی کے لئے میرج ارینجمنٹ کرنا پڑی۔ ایک امریکی کہتا ہے موت اور ٹیکس کا کوئی اعتبار نہیں اور اداکارائیں ان دونوں کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتیں۔ انجمن نے مبین ملک سے شادی کرلی۔ شادی سے ہمیں اداکارہ بندیا کا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ نکاح کے وقت سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی تھی کہ مولوی صاحب نے آ کر پوچھا کہ فلاں ابن فلاں اتنے حق مہر میں قبول ہے؟ تو بندیا بولیں "ہمیں قبول ہے" یہ سن کر مولوی صاحب نے بندیا سے کہا "بی بی آپ صرف اپنی بات کریں" بہرحال مبین ملک نے پوری انجمن سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد وہ غائب ہو گئیں۔ اگرچہ وہ اتنی صحت مند ہیروئن تھی کہ غائب ہونا آسان نہ تھا کسی اداکارہ یا گلوکارہ کی شادی کا لوگ اتنا انتظار نہیں کرتے جتنا شادی کے بعد علیحدگی یا طلاق کا۔ مبین ملک سے ناچاقی کی خبروں کے بعد انجمن فلم "جنرل رانی" میں آئی۔ اس فلم کو دیکھ کر

لگا جنرل رانی نے انجمن کا کردار ادا کیا ہے۔ جب انجمن صاحبہ کا وزن بڑھنے لگا اور وہ پنجابی فلموں میں نظر آنا بند ہو گئیں ہم نے انہیں پشتو فلموں میں بھی ڈھونڈا مگر وہاں بھی نہ ملیں حالانکہ جو اداکارہ موٹاپے میں کھوتی ہے وہ پشتو فلموں میں ہی ملتی ہے۔ انجمن کئی ہیروئنوں پر بھاری ہے۔ ہم بھی یہ مانتے تھے کہ اکیلی انجمن کئی ہیروئنوں سے بھاری ہے لیکن لگتا ہے اب وہ آج کی تمام ہیروئنوں سے بھاری ہے کیونکہ اخباری اطلاعات کے مطابق اسے دوبارہ فلم سٹوڈیو میں لانے کے لئے ہاتھی کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ صرف یہ ہی خبر ہوتی کہ کسی اداکارہ کو لانے کے لئے ہاتھی بک کرایا گیا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا کہ کس کو لایا جا رہا ہے لیکن اگلے ہی روز خبر ملی کہ اداکارہ انجمن نے بذریعہ ہاتھی سٹوڈیو آنے سے معذرت کر لی ہے۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ برجی باردت کی طرح ہماری اداکارائیں بھی جانوروں پر ظلم کے خلاف ہیں۔ البتہ یہ خبر ہے کہ اسے بارہ گھوڑوں کی بگھی میں سوار کرکے لایا جائے گا۔ شاہ نور سٹوڈیو تک ٹرین نہیں جاتی ورنہ ہمیں یقین تھا کہ اسے مال گاڑی میں وہاں تک لانے کا انتظام کیا جاتا۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ اداکارہ انجمن پر 28 من گلاب کے پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جائیں گی۔ 28 من ایک ٹن ہوتا ہے شاید اسی لئے گلاب کی پتیاں 28 من سے سیر کم یا زیادہ نہیں رکھی گئیں۔ اداکارہ انجمن کی فنی زندگی کا یہ نیا دور ہے۔ پہلے دور میں شباب کیرانوی صاحب نے ان کا نام انجمن رکھا تھا جس میں من آتا تھا' دورثانی کے لئے جو انتظامات ہو رہے ہیں ان سے لگتا ہے اس باران کا نام انج من کے بجائے انج ٹن ہو گا۔

○○○

• کار۔ روائی

ہمارے ایک نقاد دوست کارروائی کو غلط کہتے ہیں ان کے نزدیک اصل لفظ کار۔ روائی ہے ایسے ہی جیسے جون ایلیا کے نزدیک گلوکارہ کوئی لفظ نہیں۔ وہ فرماتے ہیں صحیح لفظ گلوکار ہے۔ عابدہ پروین کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن ہم کومل رضوی اور حدیقہ کیانی کو گلوکار نہیں کہہ سکتے۔ حکومت بھی ایسی ہی کارروائیاں ڈالتی رہتی ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ کچھ کررہی ہے۔ روڈیوز اینڈ بل 1998ء کے مطابق بوڑھوں کے گاڑی چلانے پر پابندی لگا دی گئی ہے اور کہا ہے 55 سال اور اس سے زائد عمر کے بوڑھے ڈرائیونگ نہیں کر سکیں گے۔ ہم مانتے ہیں ہمارے ہاں ناممکن کے علاوہ بھی بہت کچھ ممکن نہیں۔ ہمیں اتنا اعتراض ڈرائیونگ پر پابندی لگانے پر نہیں جتنا 55 برس کے افراد کو بوڑھا کہنے پر ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ بوڑھا ہونا کوئی بری بات ہے۔ بوڑھا ہونا آسان نہیں' اس پر برس ہا برس لگتے ہیں۔ ایک سیانے کے بقول بڑھاپے سے اتنا پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ کچھ لوگ اتنے خوش قسمت نہیں بھی ہوتے۔ دانشور تو کہتے ہیں زندگی 40 سال کی عمر سے شروع ہوتی ہے۔ اس حساب سے 55 کی عمر تو ابھی لڑکپن ہے۔ یہ الگ بات ہے پاکستان میں یہ لڑھکپن ہوجاتا ہے۔ یاد رہے جتنے برس میں مرد55 سال کا ہوتا ہے ضروری نہیں کہ اتنے برسوں میں عورت بھی اسی عمر کی ہو کیونکہ وقت کسی مرد کے لئے رک کر انتظار نہیں کرتا لیکن 35 برس کی خاتون کے لئے ایک جگہ پر ٹھہر جاتا ہے۔ دیکھاجائے توعجیب زندگی ہے۔ جب جا کے بندہ اس قابل ہوتا ہے کہ پیٹ بھر کر کھا سکے ڈاکٹر منع کردیتے ہیں' جس عمر میں بندہ گاڑی خریدنے جوگا ہوتا ہے اس عمر میں اس کے لئے گاڑی چلانا ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے۔ ویسے تو جن کے پاس پہلے سے گاڑی ہے انہیں کون سا ڈرائیو کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ہم نے ایک 55 سالہ شخص سے پوچھا "یہ کار آپ کی ہے؟" بولے "کبھی کبھی" پوچھا

"کیا مطلب؟" کہا "جب یہ سروس ہو کر آتی ہے تو بیوی کی ہوتی ہے جب کہیں پارٹی ہو تو بیٹے کی، جب مینا بازار یا شاپنگ پر جانا ہو تو بیٹی کی اور جب ٹینکی خالی ہو تو میری" پاکستان میں ویسے بھی گاڑی اور حکومت چلانا آسان نہیں۔ باہر کے ممالک میں آپ ٹریفک کے اصولوں کی پابندی نہ کریں تو حادثہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں کریں تو ہو جاتا ہے حالانکہ یہاں زنانہ ٹریفک پولیس نہیں جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ہسپتال پہلے ہی کم ہیں۔ ہمارے ہاں کار ایکسیڈنٹ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ آپ کار میں سفر نہ کریں۔ اکثر لوگوں کو ڈرائیونگ کرتے دیکھ کر لگتا ہے سڑک ان کی اپنی ہے مگر گاڑی اپنی نہیں۔ ہمارے ہاں ڈرائیونگ ٹیسٹ پاس کرنے کا مطلب ہے اب آپ ہر چیز کو پاس کر سکتے ہیں۔ ڈرائیونگ کے لئے فزیکل فٹنس بہت ضروری ہے کیونکہ کسی کو ٹکر مارنے کے بعد آپ صحت مند ہوں گے تو اس سے بچیں گے۔

انسانی زندگی کے تین ادوار ہیں۔ ایک جب آپ کو قیلولہ کرنا پڑتا ہے مگر آپ کرنا نہیں چاہتے۔ دوسرا جب آپ قیلولہ کرنا چاہتے ہیں مگر آپ کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ تیسرا دور جب آپ قیلولہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے پاس وقت بھی ہوتا ہے مگر نیند نہیں آتی۔ نیند نہ آنا ہی وہ کوالٹی ہے جو لمبے روٹ کے ڈرائیوروں کے لئے لازمی ہے کیونکہ اکثر حادثے ڈرائیوروں کے سونے کے باعث ہوتے ہیں۔ اگرچہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے کیسٹوں کی وجہ سے ان حادثوں میں خاطر خواہ کمی ہوئی ہے کیونکہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے گیت سن کر بڑے بڑوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ بوڑھوں کی ڈرائیونگ پر اگر یہ سوچ کر پابندی لگائی گئی ہے کہ ان کی وجہ سے حادثے زیادہ ہوتے ہیں تو یہ درست نہیں۔ ایک لمحے کے لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بوڑھوں کی وجہ سے حادثے ہوتے ہیں تب بھی یہ حادثے سڑکوں پر اتنے نہیں ہوتے، جتنے گھروں میں ہوتے ہیں سو انہیں سڑک بدر نہیں کیا جانا چاہیے۔

- **POLY-TICKS**

ہم تو کسی سیاست دان کے بیان پر تب تک اعتبار نہیں کرتے' جب تک وہ اگلے دن اس کی تردید نہ چھپوا دے' لیکن عمران خان کے بی بی سی والے انٹرویو کی تردید تو کیا خشک دید بھی نہیں ہوئی۔ انہوں نے اس میں کہا تھا کہ خوش قسمتی سے میں الیکشن ہار گیا' اس لئے زیادہ وقت اہل خانہ کودیتا ہوں۔ ہم تو سمجھتے تھے الیکشن میں جیت ہوتی ہے یا دھاندلی۔ سیاست میں ہار پہلی مرتبہ سنا' جس پر ایک سیاست دان خود کو خوش قسمت کہہ رہا ہے یہ ہار ہیروں کا ہی ہو گا۔ اگرچہ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے جیسے آپ کو پتہ نہ ہو کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آپ کو راستہ بھولنے کا خدشہ نہیں رہتا۔ ہار کے فائدوں کا تو علم کسی سیاست دان کو ہی ہو گا کیونکہ وہ تو نقصان میں بھی فائدہ تلاش کر لیتے ہیں' البتہ ہارنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جو ملتا ہے نصیحت کرنے لگتا ہے ہم سمجھتے ہیں کسی سیاست دان کے ہارنے میں اگر خوش قسمتی ہے تووہ عوام کی ہی ہو سکتی ہے۔ ہمارے ہاں ایسے امیدوار کھڑے ہوتے ہیں کہ عوام کی یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ ان میں سے صرف ایک کو منتخب ہونا ہوتا ہے۔ الیکشن میں کامیاب ہونے پر البتہ سیاستدانوں کے اہل خانہ بہت خوش ہوتے ہیں کہ اب یہ زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے باہر رہیں گے۔ ہمارے ایک لیڈر نے بتایا کہ میں نے بیٹے کو ہوسٹل میں داخل کروا دیا ہے۔ ہم نے وجہ پوچھی تو بولا "میں اسے اچھے ماحول میں پروان چڑھانا چاہتا ہوں۔" اسی لئے اکثر سیاستدان اپنے بچوں کے ساتھ کم سے کم وقت گزارتے ہیں تاکہ ان کے اخلاق پر برا اثر نہ پڑے۔ جیسے اداکارائیں نمایاں ہونے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہیں' یہاں تک کہ کپڑے بھی پہن سکتی ہیں۔ ایسے ہی سیاستدان الیکشن جیتنے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں' یہاں تک کہ دیانت داری بھی۔ ویسے ہمارے ہاں سیاست میں کامیاب ہونے کے لئے جو کچھ چاہیے وہ صرف کامیاب

سیاستدانوں کے پاس ہی ہوتا ہے۔ بہرحال آج تک کسی سیاستدان نے ہارنے پر خود کو
خوش قسمت قرار نہیں دیا۔
عمران خان سیاست میں بحیثیت کرکٹر جانے جاتے ہیں۔ یہ وہ فاسٹ باؤلر ہیں جس نے
میچ شروع ہونے سے پہلے ہی اپنے اوور مکمل کر لئے ہیں۔ ان کے لئے سب کچھ ممکن
ہے سوائے ناممکن کے۔ سیاست کو کھیل سمجھتے ہیں' حالانکہ سیاست اور کھیل میں یہ فرق
ہے کہ کھیل میں آپ کھیلتے ہیں اور عوام تماشا دیکھتے ہیں' سیاست میں عوام کھیلتے ہیں
اور آپ تماشا دیکھتے ہیں۔ عمران سیاست کے چندہ ماموں ہیں۔ ووٹ بھی یوں مانگتے ہیں
جیسے چندہ مانگ رہے ہوں۔ نواز شریف کا "لوہا" نہیں مانتے' یہ مانتے ہیں کہ "اتفاق"
میں برکت ہے۔ قاضی حسین احمد کی طرح ان کے برتاؤ میں برکم اور تاؤ زیادہ نہیں
ہوتا۔ کائنات ایٹموں سے نہیں کہانیوں سے مل کر بنی ہے' عمران خان کا وجود بھی کہانیوں
سے مل کر بنا ہے۔ ان کے باکردار ہونے کے لئے ہمارے پاس ایک ہی ثبوت ہے'
وہ یہ کہ وہ کبھی امریکہ کے صدر نہیں رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے کانوں
میں سرگوشیاں کرتے کرتے اس کے منہ میں سرگوشیاں کرنے لگتے۔ جان میجر نے کہا
ہے جس نے کبھی غلطی نہیں کی گویا اس نے کبھی سیاست نہیں کی۔ اس کا مطلب
ہے عمران خان سیاست میں آنے سے پہلے بھی سیاست کرتے تھے۔ سیاست میں عمران
کو مخالف سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا صنف مخالف سے۔ الیکشن میں ان کا مقابلہ سیتا
وائٹ سے تھا۔ نتیجہ وہی نکلا جو مولانا فضل الرحمٰن اور مسرت شاہین کے دنگل کا برآمد
ہوا۔ اتنا فرق ضرور تھا کہ ان کی بار نتیجہ برآمد نہیں درآمد ہوا۔ یہ ہمارا ہی مشاہدہ
نہیں مسلم لیگ کا مشاہدہ بھی ہے۔ سیاست اور فلم میں کون چلے گا کسی کی گارنٹی نہیں
اگر ہے تو اس کلاک سی' جس کے گارنٹی کارڈ پر دکاندار نے لکھا تھا "ہم اس کلاک
کی تب تک گارنٹی دیتے ہیں جب تک یہ کلاک کام کرے گا۔"
الیکشن ہارنے کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے' یقین نہ آئے تو اصغر خان صاحب سے

پوچھ لیں۔ عمران خان اور اصغر خان کی مشترکہ عادات بڑی مختلف ہیں۔ اصغر خان کا الیکشن ہارنا خوش قسمتی ہوتا ہے' مگر مخالف امیدوار کے لئے وہ جتنے الیکشنوں میں کھڑے

ہوئے ان میں سے کچھ میں وہ ہار گئے' باقی میں مخالفین جیت گئے۔ وہ سیاست کے مسٹر کلین ہیں۔ بھارت کے کنوار اعظم اٹل بہاری واجپائی بھی مسٹر کلین کہلاتے ہیں۔ وہ کپڑے اور برتن اتنے اچھے کلین کرتے ہیں کہ وہ سیاست میں نہ ہوتے تو مسٹر کلین ہی کہلاتے۔ جیسے کسی جگہ بر وقت پہنچنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کوئی آپ کو وقت کی پابندی کرنے کی داد دینے والا وہاں موجود نہیں ہوتا' یہی معاملہ سیاست میں مسٹر کلین ہونے کا ہے۔ عمران خان البتہ سیاست کے مسٹر کلین بولڈ ہیں۔ اتنے محتاط کہ چاہتے ہیں فوڈ فار تھاٹ بھی کولیسٹرول سے پاک ہو۔ آج کل آپ کنفیوژ نہ ہوں تو اس کا مطلب ہے آپ صحیح سوچتے نہیں ہیں اور عمران خان سوچتے صحیح ہیں۔

سیاست دان کمپین تو شاعری میں کرتے ہیں مگر حکومت نثر میں' اسی لئے غریبوں کی حالت میں چینج کے بجائے ان کی جیبوں میں نوٹوں کی جگہ چینج آتی ہے۔ سیاست وہ عمارت ہے جس کی اوپر کی منزل بھی تہہ خانے میں ہوتی ہے۔ سیاستدانوں کو غلطیاں ڈھونڈنے کے لئے ٹیلی سکوپ کی نہیں شیشے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے کئی لیڈر مانتے ہیں کہ سیاست میں روپیہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ کریڈٹ کارڈ' منی آرڈر اور ٹریولر چیک بھی کچھ ہوتے ہیں۔ ہمارے ایک سیاست دان بتا رہے تھے' سیاست میں رزق حلال کھانا بڑا مشکل کام ہے' مجھے دو ماہ ہو گئے ہیں گھر سے کھانا کھائے' ہمیں عمران خان کی اصغر خوانیوں سے لگ رہا تھا کہ وہ الیکشن جیتنے سے بال بال بچ جائیں گے۔ اصغر خان کا الیکشن لڑنا تو ان کے مخالفوں کی خوش قسمتی ہوتا ہے کیونکہ خان صاحب تو بلامقابلہ کھڑے ہو جائیں تو بھی ہار جائیں۔ عمران خان بھی یہ مقام چاہتے ہیں کہ ان کے مخالفین ان کی منتیں کریں کہ آپ ہمارے حلقے سے کھڑے ہوں۔ کچھ لوگ شاید مخالفت بھی کریں' کیونکہ ملک کے 1/5 فیصد لوگ ہر وقت ہر کام کے خلاف ہوتے ہیں لیکن

امیدواروں نے تو یہ پتہ کروانا شروع بھی کر دیا ہے کہ آئندہ الیکشنوں میں عمران خان کس کس حلقے سے کھڑے ہو رہے ہیں تا کہ وہ وہاں سے کاغذات نامزدگی جمع کروا کر سیٹ پکی کروائیں اور عمران خان کو خوش قسمت رہنے کا موقع دیں۔ ویسے خوش قسمت وہ ہوتا ہے جو اپنی قسمت پر خوش ہو۔

- پولیٹیکل ہسبنڈری

پریکٹس میکس اے ڈاکٹر پرفیکٹ' وہاب الخیری ڈاکٹر نہ ہوتے ہوئے بھی پولیٹیکل ہسبنڈری میں عرصے سے پریکٹس کر رہے ہیں۔ اینیمل ہسبنڈری اور پولیٹیکل ہسبنڈری میں یہی تو فرق ہے وہاب الخیری صاحب نے زندگی میں جتنی بار آئین دیکھا آئینہ نہ دیکھا ہو گا۔ قومی مسائل پر نظر رکھتے ہیں اور آج کل شیخ رشید ان کی نظر میں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے "اگر شیخ رشید نے شادی کا اعتراف نہ کیا تو کیس کر دوں گا" شادی کے بعد ہر شخص چاہتا ہے کہ کسی اچھے ڈاکٹر سے کیس کروائے لیکن وہاب الخیری سے کوئی نہ چاہے گا۔ جہاں تک شیخ رشید صاحب کا تعلق ہے وہ ہمارے فلمی وزیر ہیں' جب وہ وزیر نہیں تھے تب بھی بندہ گھڑی ان کے پاس بیٹھ جاتا تو اسے یہی لگتا کہ ان کا فلموں سے کوئی تعلق ضرور ہے۔ ان کی زندگی کی کہانی بھی فلم کی طرح ہے۔ اس میں سب کچھ کے علاوہ اور کچھ بھی ہے۔ یہی نہیں "کلاشنکوف" بھی ہے۔ اداکاری فلم والوں کا آ....بائی پیشہ ہے۔ فلم کے لوگ عام لوگوں سے بڑے مختلف ہوتے ہیں جو یہ سرعام کرتے رہتے ہیں عام لوگ تو وہ سرعام دیکھ بھی نہیں سکتے۔ ایسے ہی عام آدمی جو سرعام کرتے ہیں فلم والے اسے چھپا کر کرتے ہیں مثلاً شادی۔ ان لوگوں کی شادیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک اداکارہ بولی "میں طلاق لینے والی حرکت کرنے جا رہی ہوں" دوسری بولی "اچھا مجھے پتہ نہ تھا کہ تم نے شادی کی ہوئی ہے؟" بولی "نہیں وہی تو کرنے جا رہی ہوں" وہ تو اپنی خامیاں اور خاوند سب سے چھپاتی ہیں۔ شیخ صاحب فلمی وزیر ہیں سو انہیں بھی اپنی شادی خفیہ ہی رکھنا چاہیے تھی لیکن یہ بھی ممکن ہے ان پر شادی شدہ ہونے کا صرف الزام ہی ہو جیسے پہلے ان پر کنوارہ ہونے کا الزام تھا۔
عورتیں شادی کے بعد انگوٹھیاں اور زیور پہنتی ہیں تاکہ دیکھنے والے کو پتہ چل سکے کہ

وہ شادی شدہ ہیں۔ مرد حضرات کو البتہ اس کی ضرورت نہیں پڑتی' ان کی شکل سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ ایک ایسے شخص کو عرصے بعد دیکھ کر اس کے دوست نے پوچھا "کیا تم نے شادی کرا لی ہے؟" وہ بولا "نہیں میری گاڑی چوری ہو گئی ہے اس لئے تمہیں لگ رہا ہو گا" شیخ رشید صاحب شکل سے تو شادی شدہ نہیں لگتے البتہ ان کی سیاست لگتی ہے۔ فرماتے ہیں "میں پڑھے لکھوں سے کم ہی ملتا ہوں" آپ کو ان کی بات کا یقین نہ آئے تو ان سے مل کر دیکھ لیں کتابوں میں انہیں کتابی چہرے پسند ہیں۔ جیل کے باہر صرف وہ کتابیں پڑھتے ہیں جن میں حرفوں کے بجائے تصویریں ہوں۔ ان کے نزدیک عورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک ملکی اور دوسری غیر ملکی۔ لوگ ان کے بارے میں ایسی ایسی کہانیاں سناتے ہیں کہ لگتا ہے کہ شیخ رشید امریکہ کے صدر رہ چکے ہیں۔ موجودہ امریکی صدر کے حوالے سے کسی نے پوچھا "صدر کلنٹن اور ٹائٹینک میں کیا فرق ہے؟" تو جواب تھا "ٹائٹینک نے صرف 200 عورتوں کو ڈبویا تھا۔" شیخ صاحب پنڈی میں بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں' ان لیڈروں میں سے ہیں سرخیوں پر جن کی نظر رہتی ہے۔ اخباروں کی بھی سب سے پہلے سرخیاں ہی دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شادی کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ اب شادی کیا کرنی اب بوڑھا ہو گیا ہوں یہ سمجھ نہیں آتی کہ شادی نہیں کی تو بوڑھے کیسے ہو گئے؟ شادی میں مرد بیچلر کی ڈگری کو کھوتا ہے اور عورت ماسٹر کی ڈگری پاتی ہے۔ اس کے باوجود لوگ شادیاں اور آنکھیں چار کرنے سے نہیں گھبراتے۔ یہ الگ بات ہے کہ شادی کے بعد میاں بیوی سکے کے دو رخ بن جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھتے نہیں اور اکٹھے رہتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جس نے فرانس جا کے محبت نہیں کی وہ کہیں محبت نہیں کر سکتا۔ جس نے امریکہ جاکر کام نہیں کیا وہ کہیں جاب نہیں کر سکتا اور جس نے وزیر ثقافت ہو کر شادی نہیں کی وہ کنوارہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں لگتا ہے وہاب الخیری صاحب نے

شیخ صاحب کی "شیخیا   ں" بلکہ "شیوخیاں" دیکھ کر ان کی شادی کے اعلان کا کہا

ہے حالانکہ آسکر وائلڈ نے یہ دیکھے بغیر کہا تھا "کھاتے پیتے کنواروں پر بھاری ٹیکس لگنے چاہئیں کیونکہ یہ جائز نہیں کہ کچھ مرد دوسروں سے زیادہ خوش ہوں۔"

• آواز سگاں

جب سے ہم نے گلف نیوز کی یہ خبر پڑھی ہے کہ ہاٹ لائن پر جب بھی کلنٹن' یلسن سے بات کرتے ہیں ان کا کتا بڈی بھونکنے لگتا ہے۔ ہمیں ہاٹ لائن ڈاگ لائن لگنے لگی ہے۔ ہماری بین الاقوامی سیاست پر اتنی نظر نہیں کہ جان سکیں بڈی کیوں بھونکتا ہے۔ پتہ نہیں وہ بھونکتا بھی ہے یا کلنٹن کو یلسن سے بات کرتے ہوئے ویسے ہی ایسا لگتا ہے۔ کتوں کے بارے میں بھی ہمارا علم محدود ہے کیونکہ ہم کبھی امریکہ نہیں گئے' البتہ یہ پتہ ہے کتوں اور دوسرے جانوروں کا وائٹ ہاؤس سے تعلق اتنا ہی پرانا ہے جتنا امریکی صدر کا ہے۔ ہم تو کتوں کو گھر میں رکھنے کے حق میں نہیں کہ اس سے کتوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے' وہ مزید کتے ہو جاتے ہیں' اس لئے ہم وائٹ ہاؤس میں کتوں کو رہنے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔ سو وہاں جسے بھی رکھا گیا ہم سے اجازت لئے بغیر ہی رکھا گیا۔ امریکی وہ قوم ہے جو صدارتی انتخابات میں مرد کو ووٹ ڈال کر حکمرانی کے لئے خاتون منتخب کرتے ہیں' اس لئے کسی کنوارے کو اپنا صدر نہیں چنتے اور اپنے صدر کی کتوں کے ساتھ دوستی سے اندازہ لگاتے ہیں وہ کتنا انسان دوست ہے۔ کلنٹن کے انتخاب کے بعد امریکی قوم کا سب سے بڑا مسئلہ سگ اول کا انتخاب تھا۔ صدر بش کے معاملے میں انہیں اس لئے الگ سے ایکسرسائز کی ضرورت نہ پڑی تھی امریکی سگ اول کو چننے کے بعد امریکیوں کا سب سے بڑا مسئلہ اس کتے کا نام رکھنا تھا کیونکہ جب اسے وائٹ ہاؤس ڈاگ کہا جاتا تو پتہ نہ چلتا کس کی بات ہو رہی ہے؟ بڑے بڑے نامی مقابلوں کے بعد بالاخر اس کا نام "بڈی" رکھا گیا۔

کتے انسانوں کی صحبت میں رہ کر بگڑ جاتے ہیں جیسے ساقی فاروقی کا کتا ان کے ساتھ رہ کر ادب شناس ہو گیا ہے' وہ کہتے ہیں میرے کتے کے سامنے کوئی گھٹیا شعر سنائے تو وہ بھونکنے لگتا ہے۔ جس پر وزیر آغا صاحب نے کہا کہ یہ درست نہیں کیونکہ میں

نے کتے کو ساقی فاروقی کے شعروں پرچپ بیٹھے دیکھا ہے۔ پی پی کے رفیق‘ شیخ رفیق کا کتا ہماری سیاست کو اتنا سمجھتا ہے کہ بقول شیخ رفیق ان کے گھر کوئی پجارو والے آئیں تو ان کا بڑا احترام کرتا ہے۔ کوئی کار والا آئے تو اسے ایک نظر دیکھ کر سر جھکا لیتا ہے۔ کوئی موٹر سائیکل والا آئے تو اس پر خوب بھونکتا ہے۔ اگر کوئی پیدل آ جائے تو اسے کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ مصطفیٰ کھر کا کتا بھی مردوں کو کھری کھری سناتا ہے جوان خاتون دیکھ لے تو اس کے پاؤں پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ بوڑھی ہو تو اس کے ٹخنوں کو پڑتا ہے۔ کلنٹن کے کتے کی نس بندی کروانا پڑی‘ اس سے اندازہ لگا لیں صحبت کا کتنا اثر پڑتا ہے۔ بین الاقوامی سیاست پر ”بڈی“ کی بڑی نظر ہے۔ جب صدام کا نام آئے تو چپ کر کے اپنے دم سہلانے لگتا ہے۔ اسرائیل کے ذکر پر انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ مگر یلسن کی آواز سنتے ہی بھونکنے لگتا ہے۔ ہمارے ہاں کتا اس پر بھونکتا ہے جو اسے ناپسند ہو۔ امریکہ اور روس میں اس کا پتہ نہیں کیا مطلب لیا جاتا ہے۔

امریکہ اور روس دونوں کتوں کے بڑے فیورٹ ہیں روس میں تو ہر فیملی نے کتا رکھا ہوتا ہے۔ وہ بھی یوں کہ لگتا ہے کتے نے فیملی رکھی ہوئی ہے۔ امریکیوں کے بارے میں آپ جو کچھ کہیں وہ سچ ہے کوئی اس کے بالکل الٹ کہے تو وہ بھی سچ ہو گا۔ پاکستانی عوام جب امریکہ کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے ”امریکی کتے مردہ باد“ کہتے ہیں تو امریکی بہت برا مناتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے کتوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتے۔ صدر کلنٹن کے بارے میں پہلے کہا جاتا تھا کہ ان سے زیادہ خارجہ پالیسی کا علم تو جارج بش کے کتے ملی کو ہے۔ اب کہا جاتا ہے کلنٹن خارجہ پالیسی کو ”بڈی“ جتنی توجہ نہیں دیتے‘ شاید اسی لئے وہ کامیاب ہیں۔ کلنٹن ”بڈی“ کی اتنی مانتا ہے کہ اگر وہ ہلیری کی بھی فوراً مان لے تو وہ پوچھتی ہے ”تم نے مجھے کیا سمجھا ہے؟“ امریکی جسے پہلی بار ملیں اس سے اپنائیت کا اظہار کرنے کے لئے اسے ”بڈی“ ہی کہتے ہیں‘ وہ کتوں کے بارے میں اتنا جانتے ہیں جتنا کتے خود اپنے بارے میں نہیں جانتے۔ وہ کسی

جاندار کو تنگ کرنا گناہ سمجھتے ہیں بشرطیکہ وہ انسان نہ ہو' جانوروں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ سوال نہیں پوچھتے اس لئے امریکی عورتیں اپنے کتوں کے ساتھ وہاں بھی چلی جاتی ہیں جہاں خاوندوں کے ساتھ بھی نہیں جاتیں۔ بینجمن فرینکلن نے کہا ہے' دنیا میں تین وفادار دوست ہیں بوڑھی عورت' پرانا کتا اور وہ دولت جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ امریکی سگ اول جب تک وائٹ ہاؤس میں رہتے ہیں' بین الاقوامی معاملات میں تھوتھنی گھیڑتے ہیں۔ بعد میں وہ صرف سگ بیتیاں لکھتے ہیں۔ بش کے کتے ملی کی سگ بیتی اتنی بکی کہ تحقیقی رپورٹ کے مطابق 1991ء میں جارج بش کے کتے نے بش سے چار گنا زیادہ کمائی کی۔ ہم اپنے کتوں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو اے ٹی (اینمل ٹریننگ) رجمنٹ کیا کرتی تھی۔ اس رجمنٹ میں خچروں کو پہاڑی علاقوں میں اسلحے کی ترسیل کے دوران جنگ میں کام کرنے کے لئے ٹریننگ دی جاتی۔ جب یہ خچر اپنی ملازمت پوری کر لیتے تو ان کو گولی مار کر دفن کرنا فوج کا قانون تھا کہ اگر انہیں فروخت کر دیا تو یہ قابل قدر خچر سول میں دھکے کھائیں گے۔ ہمارے ہاں کتوں کے ساتھ انگریزی بولی جاتی ہے شاید اسی لئے کتوں کو تلف کرنے کے اشتہارات اردو اخبارات میں دیئے جاتے ہیں تاکہ کتے پڑھ کر چوکنے نہ ہو جائیں۔

جیسے مچھلیاں پکڑنے اور تالاب کے کنارے احمقوں کی طرح کھڑے رہنے میں زیادہ فرق نہیں ایسے ہی روسی اور امریکی کتوں کے بھونکنے میں تو زیادہ فرق نہیں' البتہ ہر قوم اس کا مطلب اپنے مطلب کا نکالتی ہے۔ روسی تو وہ قوم ہے جو اپنے انقلاب اکتوبر کی سالگرہ نومبر میں مناتی ہے' اس لئے یلسن بڈی کے ہاٹ لائن پر بھونکنے سے کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ یہ وہ ہی جانتا ہے جیسے شرلک ہومز اور ڈاکٹر واٹسن کیمپنگ پر گئے ہوئے تھے' شام کو بستر پر آسمان دیکھ رہے تھے کہ شرلک ہومز نے کہا "واٹسن دیکھو تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟" واٹسن بولا "بہت سے ستارے دیکھ رہا ہوں" شرلک ہومز نے پوچھا' اس سے کیا مراد ہے؟" واٹسن بولا' "اس کا مطلب ہے کل بہت کھلا کھلا دن ہو گا" "ہومز تم اس سے کیا مراد لو گے؟" شرلک ہومز بولا "میں اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا

ہوں کہ کسی نے ہمارا ٹینٹ چوری کر لیا ہے" ویسے یہ بھی ممکن ہے بڑی کلنٹن کے یلسن سے بات کرنے پر نہ بھونکتا ہو بلکہ کلنٹن' یلسن سے ہاٹ لائن پر بات ہی بڑی کو چپ کرانے کے لئے کرتا ہو۔

ooo

• تذکیر و تذکرہ

مرزا غالب سے کسی نے پوچھا "جوتا مذکر ہوتا ہے یا مونث" تو انہوں نے کہا "آسان ہے اگر زور سے پڑے تو مذکر اگر آہستہ سے لگے تو مونث" لیکن سیاسی پارٹیوں کی تذکیر و تانیث کا کوئی فارمولا وہ بھی نہ بتا سکے۔ شاید اسی لئے جماعت اسلامی کے منور حسن صاحب نے فرمایا ہے "پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ میں کوئی فرق نہیں۔ یہ پتہ کرنا مشکل ہے کہ دونوں میں مرد کون ہے اور عورت کون" ہو سکتا ہے اس کی وجہ پارٹیوں کی بجائے منور حسن صاحب کی نظر کی کمزوری ہو۔ ہم نے جماعت اسلامی کے لوگوں میں سوائے نظر کے اور کوئی کمزوری نہیں دیکھی۔ جماعت اسلامی ویسے بھی بزرگوں کی جماعت ہے' اس کا مطلب یہ نہیں' اس پارٹی میں سب بزرگ ہیں کچھ بوڑھے بھی ہیں جیسے غالب کے بچپن کا واقعہ ہے وہ گلی میں قینچیے کھیل رہے تھے کہ ساتھی دوست نے کہا "راستے سے ہٹ جاؤ بزرگ کو گزر جانے دو" غالب نے دیکھا اور بولا "یہ بزرگ تھوڑا ہی ہے یہ تو بوڑھا ہے" روس میں بوڑھے حکومت میں ملتے ہیں' ہمارے ہاں مذہبی جماعتوں اور مسجدوں میں پائے جاتے ہیں۔ جماعت اسلامی میں بوڑھوں کی اتنی قدر ہے کہ جماعت کے ایک سرکردہ لیڈر نے بتایا کہ جماعت نے محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت اس لئے کی تھی کہ وہ بوڑھی تھیں جبکہ بے نظیر بھٹو کی مخالفت اس لئے کی کہ وہ ابھی جوان ہے۔ اس حساب سے تو بے نظیر کی خواہش ہو گی اسے تاحیات جماعت اسلامی کی حمایت نہ ملے۔

تذکرہ و تانیث کا مسئلہ اتنا مذکر مونث کی وجہ سے پیش نہیں آتا' جتنا ان کی وجہ سے آتا ہے جو "ہنیوں" میں ہیں نہ "شیوں" میں۔ کچھ عرصہ قبل کمپیوٹر کے بارے میں سوال اٹھا کہ یہ مرد ہے یا عورت۔ زیادہ لوگوں نے اسے عورت کہا اور ثبوت میں یہ دلیل دی کہ اسے بنانے والے کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اس کے اندر اصل ہے کیا

اور پھر اس میں آپ کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی لمبی مدت تک محفوظ رہتی ہے۔ یہ مسئلہ بھی اٹھا کر قوم مذکر ہے یا مونث' قوموں کی تاریخ پڑھیں تو کبھی وہ مذکر لگتی ہیں تو کبھی مونث۔ ایک بار تقریر میں سرحدی گاندھی عبدالغفار خان نے "ہمارا قوم" کہہ دیا۔ ایک صحافی نے کہا "خان صاحب قوم مونث ہوتی ہے" تو عبدالغفار خان بولے "آپ کی قوم مونث ہو گی' ہمارا قوم مذکر ہے" اقوام متحدہ کی جنس کے بارے میں ہمیں ڈاکٹر سمجھتے ہوئے پوچھا گیا تو ہم نے عرض کیا "اگر اقوام متحدہ کو کسی بڑی قوم کے خلاف فیصلہ کرنا ہوتو یہ مونث ہوتی ہے اگر کسی چھوٹی قوم کے بارے میں فیصلہ کرنا ہو تو مذکر" جہاں تک پارٹیوں کی بات ہے تو ہم سمجھتے ہیں ہر پارٹی مونث ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ خود کو مذکر ثابت نہ کر دے۔ ویسے منور حسن صاحب اگر دونوں پارٹیوں کی پالیسیاں دیکھ لیتے تو پتہ چل جاتا دونوں میں سے مرد کون ہے اور عورت کون۔

قیام پاکستان کے بعد سے ہم نے بڑی ترقی کی ہے جس کے پاس پہلے ایک کوٹھی تھی اس نے دو بنا لیں۔ ہمارے پاس ایک پاکستان تھا' ہم نے دو کر دیئے۔ یہی حال پارٹیوں کا رہا۔ مولانا مفتی محمود ایک جمعیت علما اسلام چھوڑ کر گئے تھے مولانا فضل الرحمٰن نے بڑی مشکلوں سے خود کو اورپارٹی کو ڈبل کیا۔ مولانا نورانی نے بھی ایک جمعیت علمائے پاکستان کی دو بنائیں تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ پاکستان میں اتنے علماء ہیں کہ ایک پارٹی میں پورے نہیں آ سکتے۔ مسلم لیگیں تو اتنی مارکیٹ میں ہیں کہ پیر پگاڑو کو اعلان کرنا پڑا اصلی اور ودھیا مسلم لیگ لیتے وقت اس کی صدارت میں پیرپگاڑو کا نام ضرور دیکھ لیں' نقالوں سے ہوشیار رہیں۔ پیپلز پارٹی کی زچگیوں نے تو سب کو زچ کئے رکھا۔ اس حساب سے تو ہمیں بیشتر پارٹیاں مونث ہی لگتی ہیں۔ البتہ کچھ پارٹیوں کا نام آتے ہی ذہن میں داڑھی آ جاتی ہے۔ کہتے ہیں آخری زارروس نے مردوں کے داڑھی رکھنے پر پابندی لگا دی تھی' البتہ یہ پابندی عورتوں پر نہیں لگائی تھی۔ بہرحال بارلیش جماعت اسلامی دیکھنے میں تو مرد لگتی ہے' لیکن حالیہ سر سید شیخ رشید نے فرمایا ہے' جماعت اسلامی

اور مسلم لیگ کا مستقبل ایک ہی ہے۔ یہ ایسے جیسے بمبئی کے میئر نے کہا تھا پانچ سال بعد بمبئی بھی پیرس بن جائیگا جس پر پیرس کے باشندے پریشان ہو گئے تھے کہ پچاس سال بعد پیرس بمبئی جیسا ہو گا۔ دیکھتے ہیں شیخ رشید کے بیان کے بعد مسلم لیگ والے پریشان ہوتے ہیں یا جماعت والے اپنے مستقبل سے گھبراتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کے مستقبل کے بارے میں ہم یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان پارٹیوں کے ماضی جیسا نہیں ہو گا۔ پیر پگاڑو صاحب نے تو کہا تھا جماعت اسلامی مسلم لیگ ہی کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ تو اچھا ہوا جماعت والوں نے ترجمہ کر لیا ورنہ ملتے جلتے ناموں سے بڑا مسئلہ ہو جاتا' جیسے جب امریکہ میں بھارت کے سفیر عابد حسین اور ہماری عابدہ حسین صاحبہ تھیں۔ یہ پتہ کرنا بڑا مشکل ہو جاتا کہ دونوں میں سے مرد کون ہے اور عورت کون' ہم تو بیان کی مردانگی سے اندازہ لگاتے کہ یہ محترمہ عابدہ حسین کا ہے۔ اکثر پارٹیوں اور لیڈروں کا فرق ان کی سرخیوں کے سائز سے ہوتا ہے' جیسے محترمہ عابدہ حسین اور محترمہ بے نظیر بھٹو میں یہ فرق ہے کہ عابدہ حسین کی سرخی 3 کالمی اور بے نظیر بھٹو کی آٹھ عالمی ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل بابائے پاگلاں ڈاکٹر رشید چودھری نے کہا تھا تمام سیاست دانوں کے ذہنوں کا معائنہ ہونا چاہیے۔ ہمارے خیال میں اس کے ساتھ ہی سیاسی پارٹیوں کا میڈیکل چیک اپ بھی ہونا چاہیے' تاکہ پتہ تو چل سکے جنہیں ہم پہلی دوسری قوت سمجھتے ہیں کہیں وہ میڈیکلی "تیسری" قوت تو نہیں ہیں۔

○○○

• "بڑے پائے" کا نصاب

نصاب کی کتابیں نہ ہوتیں تو آدھے طلبہ بے خوابی کے مریض ہوتے۔ ادیبوں شاعروں نے بھی بے خوابی کم کرنے کے لئے بڑا کام کیا۔ اصغر عابد اور عباس تابش جب اکٹھے فلیٹ میں رہتے تھے تو اصغر عابد کو رات کونیند نہ آتی' وہ روز نت نئی دوائیاں ٹرائی کرتے۔ ایک رات عباس تابش باہر سے آئے تو اصغر عابد کو سوتے ہوئے پایا۔ صبح پوچھا "رات کو آپ نے کیا لیا تھا؟" اصغر عابد بولے "تحسین فراقی کی تنقید کی کتاب" حکومتیں جن ادیبوں شاعروں سے نئی نسل کو بیزارکرنا چاہیں انہیں نصاب میں شامل کر دیتی ہیں۔ یہی کچھ نواز شریف کے ساتھ کرنے کے لئے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ تعلیمی اداروں کوجدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مطالعہ پاکستان میں پچاس سالہ تاریخ کے ساتھ ساتھ موجودہ حکومت کے کارناموں کوبھی نصاب میں شامل کیا جائے گا۔

تاریخ ہے کیا' زمانے کی درج کرائی ہوئی اک رپٹ ہی تو ہے۔ دانشور تو اخبارات کو تاریخ کارف ڈرافٹ کہتے ہیں کچھ لوگ ہماری طرح اخبار لیتے ہی تاریخ دیکھنے کے لئے ہیں۔ اخبارات پڑھ کر تو لگتا ہے ہماری تاریخ سیاست دانوں سے بھری پڑی ہے۔ وہ قوم بڑی بدقسمت ہوتی ہے جس کے رہنما عوام سے بڑھ جائیں۔ حکمران یہ تو چاہتے ہی ہیں کہ جو کچھ ہو ان کی مرضی کے مطابق ہو اس میں ہرج بھی کوئی نہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ جو ماضی میں ہو چکا وہ بھی ان کی مرضی کے مطابق ہوا ہونا چاہیے۔ بے نظیر دور میں فخر زمان صاحب نے تاریخ کو REWRITE کروانے کی بات کی تھی۔ قابل فخر زمان کے ہوتے ہوئے کوئی اور قابل فخر کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ مورخ بھی ہیں اور محقق بھی۔ مورخ تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے جو خدا بھی نہیں کر سکتا۔ خدا صرف حال اور مستقبل بدل سکتا ہے مورخ تو ماضی بھی بدل سکتا ہے۔ البتہ محقق کو مورخ نہیں ہونا چاہیے۔ محقق تو اچھے خاوند نہیں ہوتے کچھ نہ کچھ

نکال ہی لیتے ہیں۔ فخر زمان نے ہمارے تاریخی ہیروز میں ہیروئن کا اضافہ کرنے کے لئے بے نظیر کی تصویروں کے رنگین البم شائع کئے مگر وہ نصاب سے پہلے احتساب میں شامل ہو گئیں۔ اب نواز حکومت ہمارے مستقبل کے ساتھ ساتھ ماضی بہتر بنانے کی کوششیں کر رہی ہے کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو نہیں دہراتی تاریخ دان دہراتے ہیں لیکن ہمارے ہاں ایک حکومت کا تاریخ دان پہلے کو نہیں دہراتا۔

تاریخ سے ہم نے یہی سیکھا ہے کہ بچوں کے ڈائیپر اور سیاستدانوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں کو تبدیل کرتے رہنا چاہیے۔ تبدیل کرنے کی وجہ بھی دونوں کی ایک سی ہے۔ ہماری تاریخ بتاتی ہے 99 فیصد حکمرانوں کی وجہ سے ہمارے اچھے حکمران بھی بدنام ہیں۔ ہمارے حکمران گھوڑے دوڑانے کے لئے بحر ظلمات ڈھونڈتے تھے۔ وہ اسمبلیوں میں گھوڑے دوڑا دیتے تھے۔ ہمارے ہاں ڈکٹیٹر زیادہ حکمران رہے اور حکمران زیادہ ڈکٹیٹر رہے۔ ڈکٹیٹرز میں یہ قدر مشترک رہی کہ ایک کے بارے میں کہے گئے لطیفے دوسرے پر یوں فٹ آتے رہے جیسے کسی بچی کے کپڑے فلمی ہیروئن پر۔ ان کے بغیر ہماری تاریخ ایسے ہی ہے جیسے نوابزادہ نصراللہ خان بغیر حقے کے۔ وہ ہمارے سیاہ سفید و خاکی کے مالک رہے جیسے ڈراموں کے دوران اشتہار آ جاتے ہیں' ایسے ہی آمریت کے درمیان چند لمحوں کے لئے جمہوریت آتی رہی۔ جمہوریت وہ آلہ ہے جو یہ یقین دلاتا ہے کہ ہماری حکومت ہم سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ رکن اسمبلی اور مزاح نگار کا کام ایک ہی ہوتا ہے' سنجیدہ مسائل کے غیر سنجیدہ پہلوؤں کو سامنے لانا۔ اسمبلیوں میں پاکستان کو عظیم بنانے کے لئے میٹنگیں ہوتی رہیں۔ کہتے ہیں روم کی عظیم سلطنت اس لئے بنی تھی کہ اسے وجود میں لانے کے لئے میٹنگیں نہیں کی گئی تھیں۔ ملک کی پچاس سالہ تاریخ کے ساتھ ساتھ نصاب میں نواز شریف کے "کارناموں" کا ذکر کرنے کے لئے موٹر وے کا ذکر بھی ہو گا۔ ہم نے بنگلہ دیش کے ایک شخص کے بارے میں خبر پڑھی کہ اس نے اپنے بیٹے کی شادی پر تحفے میں بڑی سڑک دی۔ ہم نے سوچا وہ شخص بڑا

امیر ہو گا پتہ چلا وہ بھکاری تھا۔ ہمیں بھی نواز شریف نے موٹر وے دی۔ ہمارے ہاں یہ مسئلہ ہے کہ ایک حکومت میں جو جیل میں ہے دوسری میں وہ وزیراعظم ہاؤس میں ہوتا ہے۔ سو ڈر ہے کہ ہر حکومت کے ساتھ ہماری تاریخ مکمل بدل جایا کرے گی لیکن جب سے ہم نے پڑھا ہے نئے نصاب کے لئے جانوروں کے حوالے سے نظمیں لکھوائی جا رہی ہیں' ہمیں لگا کہ یہ احتیاطاً اس لئے کیا جا رہا ہے تاکہ غیر متنازعہ تاریخ مرتب ہو سکے۔ اگر بے نظیر حکومت آئے تو آصف زرداری کو اسے بدلنے کی ضرورت نہ پڑے۔

نواز شریف صاحب نصاب حضرات میں تو پہلے ہی شامل تھے اب نصاب میں بھی شامل ہو جائیں گے۔ نصاب ہی سے تو پتہ چلے گا کہ نواز شریف بڑے پائے کے لیڈر تھے۔ ہو سکتا ہے کچھ لوگ کہیں کہ وہ بڑے پائے کے لیڈر نہیں تھے اور ثبوت یہ پیش کریں کہ جب سے ان کا وزن بڑھا انھوں نے بڑے پائے کھانے چھوڑ دیئے ہیں۔ بہرحال اس سے ہمارا نصاب تو بڑے پائے کا ہو ہی جائے گا۔ ایک سردار جی نے بیٹے سے پوچھا "9 کو 8 سے ضرب دی جائے تو جواب کیا ہو گا؟" لڑکا بولا "74" سردار جی نے بچے کو تھپکی اور کھانے کو چاکلیٹ دیئے۔ ایک صاحب پاس کھڑے دیکھ رہے تھے بولے "9 کو 8 سے ضرب دی جائے تو 72 ہوتا ہے۔ آپ نے بچے کو 74 کہنے پر انعام کیوں دیا؟" سردار جی بولے "یہ بہتر ہو رہا ہے پچھلی بار اس نے 88 کہا تھا" سو صاحب ہم تو اس پر خوش ہیں کہ ہماری تاریخ بہتر ہو رہی ہے۔

ooo

پاپائے قوم

1999ء کا سال کسی اور قوم کے لئے اچھا ہو نہ ہو امریکیوں کے لئے بڑا امید افزا ہے کہ اس کے شروع ہوتے ہی انہیں پاپائے قوم ملنے کی امید ہو گئی ہے۔ بابائے قوم ہونے کے لئے بابا ہونا ضروری ہے۔ امریکہ میں چونکہ بابا کچھ بھی ہو سکتا ہے امریکی صدر نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب سے ویاگرا آئی ہے تب سے راس پیرو نے بھی کہنا شروع کر دیا ہے کہ اب میں بھی امریکی صدر بن سکتا ہوں۔ امریکہ میں فادر آف دی نیشن کا ترجمہ پاپائے قوم ہی ہے۔ ہر قوم کا اپنا باپو ہوتا ہے جیسے گاندھی جی بھارت کے باپو ہیں۔ اگرچہ بال ٹھاکرے نے انہیں باپو ماننے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ میں گاندھی جی کو باپو نہیں مانتا یہ ان کا نجی معاملہ ہے۔ امریکہ کولمبس نے دریافت کیا اور کولمبس امریکیوں کی دریافت ہے۔ مشورہ کرنے کا بڑا فائدہ ہوتا ہے اگر کولمبس کسی سے مشورہ کر لیتا تو امریکہ دریافت نہ ہوتا۔ کولمبس اتنا پرانا ہے کہ اسے پاپو کے بجائے داد وہی کہا جا سکتا ہے۔ امریکی عرصے سے باپو سے محروم چلے آ رہے تھے۔ وہاں یہ اتنا بڑا مسئلہ ہے کہ کسی سے اس کے باپ کا نام پوچھنا بداخلاقی سمجھا جاتا ہے۔ ایک امریکی ماں بچے کو سکول داخل کروانے گئی اور ٹیچر سے کہا "میرے بیٹے سے آسان سوال پوچھنا" ٹیچر نے بچے سے کہا "بیٹا اپنے باپ کا نام بتاؤ؟" تو امریکی ماں بولی۔ "میں نے کہا تھا بچے سے آسان سوال پوچھنا۔" 1999ء کے پہلے ہی دن آرکنساس کی سیاہ فام طوائف نے کہا کہ میرا بیٹا ڈینی ولیم جو اس وقت 13 سال کا ہے اس کا باپو صدر کلنٹن ہے۔ جب کلنٹن آرکنساس کا گورنر تھا تب ڈینی کلنٹن سے تعلقات کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔ ایک میگزین نے بچے کے ڈین این اے کے رزلٹ کے لئے ٹیسٹ لئے ہیں۔ اگر کلنٹن اس کا باپو قرار پاتا ہے تو بے شمار امریکی بچوں کی ماؤں کو ٹیچرز کو یہ نہیں کہنا پڑے گا کہ بچے سے آسان سوال پوچھیں۔

امریکہ عجیب ملک ہے جہاں پیزا ایمبولینس سے پہلے آپ کے گھر پہنچ جاتا ہے جہاں انکم ٹیکس کے فارم بھرنے میں اس سے زیادہ توانائی لگتی ہے جتنی میں یہ آمدنی کمائی گئی۔

ایک ڈچ اپنے جھنڈے کے بارے میں بتا رہا تھا کہ ہمارا جھنڈا ٹیکسوں کی علامت ہے۔ جب ہم ٹیکسوں کے بارے میں بات کرتے ہیں تو سرخ ہو جاتے ہیں۔ جب ٹیکس نوٹس آتے ہیں تو ہم سفید ہوجاتے ہیں اور نیلے انہیں ادا کرتے وقت ہوتے ہیں۔ امریکن نے یہ سن کر کہا "ہمارے ہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہے بس ہمیں ساتھ ستارے بھی نظر آتے ہیں۔" ان امریکیوں کی 1998ء کی واحد تفریح صدر کلنٹن رہے۔ کلنٹن کی مقبولیت کا گراف 1998ء میں گرا لیکن وہ کلنٹن سے زیادہ نہ گر سکا۔ کہتے ہیں کلنٹن کی ماں نے دعا کی تھی میرا بیٹا بڑا ہو اور امریکہ کا صدر بنے۔ ابھی تک اس کی صرف آدھی دعا قبول ہوئی ہے۔ ایک دوست بتا رہے تھے بل کلنٹن کے والد وکیل تھے۔ عرض کیا "آپ کیسے کہہ رہے ہیں؟" بولے "امریکہ میں وکیل اپنی بیٹی کا نام "SUE" اور بیٹے کا نام (BILL" رکھتے ہیں" کلنٹن کی بیٹی چیلسی نے ایک دفعہ پوچھا "پاپا کیا تمام کہانیاں ایک دفعہ کا ذکر سے شروع ہوتی ہیں" تو وہ بولا نہیں کچھ یوں بھی شروع ہوتی ہیں "جب میں صدر بنا" لیکن اب کہانیاں اس سے پہلے سے بھی شروع ہونے لگی ہیں۔ کلنٹن نے امریکہ میں کنوارگی کی شرح بڑھا دی ہے' وہاں ایک خاتون نے ملازمت کے لئے انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ میں کنواری ہوں۔ انٹرویو لینے والے نے حیرانی سے پوچھا "آپ نے ابھی بتایا ہے کہ آپ کے دو بچے ہیں' آپ کی شادی کو تین سال ہو چکے ہیں پھر آپ کیسے کہہ سکتی ہیں آپ کنواری ہیں؟" بولی "صدر کلنٹن نے عدالت میں سیکس کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق میں ابھی تک کنواری ہوں" کچھ امریکیوں نے اعتراض کیا کہ صدر کلنٹن نے اپنی بیوی ہلیری کلنٹن کو دھوکہ دیا ہے جس پر ایک صحافی نے ہلیری سے پوچھا "کیا آپ کے خیال میں مرد کو کبھی اپنی بیوی کو دھوکہ نہیں دینا چاہیے؟" تو ہلیری بولی "میں یہ تو نہیں کہہ رہی کیونکہ عورت کو دھوکہ نہیں

دے گا تو اوسط درجے کے مرد کی کبھی شادی ہی نہ ہو سکے گی۔" 1998ء میں ہلیری کلنٹن روز صبح 5 بجے کلنٹن کو ملتی۔ کسی نے وجہ پوچھی تو پتہ چلا وہ اس لئے اس وقت ملتی ہے تا کہ یقین سے کہہ سکے کہ وہ ہی فرسٹ لیڈی ہے۔ اگر ڈینی ولیم کے ڈی این اے سے ثابت ہو گیا کہ کلنٹن اس کا باپ ہے تو کلنٹن ایک بڑے سکینڈل میں ملوث تو ہو جائے گا لیکن اس میں امریکی خیر کا پہلو بھی نکال لیں گے۔ وہ یہ کہ کلنٹن کی وجہ سے ایک بچے کو باپو مل گیا۔ ایسے ہی جیسے مونیکا لیونسکی کیس میں کلنٹن کے ڈیفنس اٹارنی نے بلڈ رپورٹ وصول ہونے پر کہا تھا "سر آپ کے لئے ایک اچھی خبر ہے اور ایک بری" صدر کلنٹن نے کہا "پہلے بری خبر سناؤ" بولا "مونیکا لیونسکی کے لباس پر جو دھبے ہیں اس کا ڈی این اے آپ کے ڈی این اے سے ملتا ہے۔" صدر کلنٹن نے پوچھا "اچھی خبر؟" تو وہ بولا "اچھی خبر یہ ہے کہ آپ کا کولیسٹرول کم ہو کر نارمل لیول پر آ گیا ہے۔"

○○○

• مسلم لیگی بارش

ہم عرصے کے بعد کالم لکھ رہے ہیں مگر کچھ نہیں بدلا۔ آج بھی سب سے مزاحیہ تحریریں اخبار صفحہ اول پر شائع کرتے ہیں۔ آج بھی لوگ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کے چٹکلے پڑھ کر اتنا نہیں ہنستے جتنا صفحہ اول پر چھپنے والے بیانوں پر ہنستے ہیں۔ فکاہیہ کالم نگار آرٹ بکوالڈ ایک بار اپنی محبوبہ کے ساتھ ہوٹل کو الٹی ان میں مقیم تھے۔ باتوں باتوں میں محبوبہ نے کہا "آپ کے کالموں میں جو مزے مزے کے مضامین ہوتے ہیں' آپ کے ذہن میں کیسے آتے ہیں؟" آرٹ بکوالڈ نے کہا "مجھے ڈر تھا کہ تم یہ پوچھو گی' دیکھو! کتنی حسین شام ہے' تم اسے ایسی باتوں سے برباد کرنا کیوں چاہتی ؟" محبوبہ نے ضد کی تو آرٹ بکوالڈ نے کہا "اگر میں نے سچ بتا دیا تو تمہاری نظر میں میرا جو مقام ہے وہ نہیں رہے گا" محبوبہ نے کہا "تم تو دور حاضر کے بڑے کالم نگار ہو" آرٹ بکوالڈ نے کہا "حقیقت تو یہ ہے کہ میں اپنا کالم اخباروں اور ٹی وی سے چراتا ہوں۔ میرے کالم میں آئیڈیا کبھی راس پیروکا ہوتا ہے' کبھی کلنٹن تو کبھی مونیکالیونسکی سے چرایا ہوا" یہ سن کر محبوبہ بستر سے اچھلی اور یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی کہ میں کسی ایسے شخص کے ساتھ رات گزارنا نہیں چاہتی جو مونیکا لیونسکی سے بھی لکھنے کے آئیڈیا ز لیتا ہو" ہم اتنے بڑے کالم نگار تو نہیں ہاں اگر کوئی نقاد ہمیں ایسا کہہ دے تو ہم تردید نہیں کرتے کیونکہ آج کل نقادوں کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔ کیا پتہ وہ سچ ہی کہہ رہے ہوں۔ ہم نے اس سے قبل نواز شریف سے کیا بابرہ شریف تک سے انسپائر ہو کر مزاح میں لکھے کہ مزاح کا مزا ان ہی کی وجہ سے ہے۔ اب تو خیر سیاست میں کچھ تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ مسرت شاہین عورتوں کی مولانا فضل الرحمٰن ہو گئی ہیں' علامہ طاہر القادری مردوں کے بے نظیر بھٹو بن گئے ہیں۔ فاروق لغاری' نوابزادہ نصراللہ لگنے لگے ہیں۔ ان

کے علاوہ ہمیں نواز شریف بھی پسند ہیں' اس کی وجہ ہمارا مزاح نگار ہونا نہیں کیونکہ ہم نے نواز شریف کے ایک قریبی ساتھی سے پوچھا "نواز شریف کو اتوار کو ہنسانا ہو تو کیا کرنا پڑتا ہے؟" وہ بولے "انہیں بدھ کو لطیفہ سنانا پڑتا ہے۔"

لیڈروں کے ساتھ ساتھ اور ایشوز بھی بدلے ہیں' ویسے باہر کے ملکوں میں ایشولیس ہونے سے مراد بے اولاد ہونا لیا جاتا ہے لیکن ہمارے ملک میں بچے کبھی ایشو نہیں رہے۔

سو ہمارے آج کل جو نیشنل ایشوز ہیں' ان میں سے سب سے تازہ یہ ہے کہ حالیہ بارش مسلم لیگی تھی یا پیپلز پارٹی کی۔ مسلم لیگی کہہ رہے ہیں یہ بارش نواز شریف کی اپیل کی وجہ سے ہوئی جبکہ پی پی والوں کا خیال ہے یہ بارش 5 جنوری کو شروع ہوئی' اس دن چونکہ بھٹو کی سالگرہ تھی' اس لئے بارش اس کی برکت سے ہوئی۔ ہم نے بارش کی آوا نہیں سنی' اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے کس پارٹی کی آواز آتی رہی۔ مارشل لاء کے زمانے میں فوجی ان گاڑیوں کو جیالوں کی سمجھ کر روک لیا کرتے تھے جس کے ہارنوں سے پی پی کی آواز نکلتی تھی۔ بہرحال اس بارش سے لاہور میں جتنا کیچڑ پھیلا اس سے یہ ضرور لگتا ہے کہ یہ بھی سیاسی بارش دونوں لیڈر جنہیں اس بارش کا باعث قرار دیا گیا ہے بڑے لیڈر ہیں۔ اب تو خیر بہت بڑے لیڈر ہونا فیشن میں ہے۔ پاکستان کے لیڈروں کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ پاکستان سے بھی بڑے ہو جاتے ہیں۔ کچھ تو اتنے بڑے ہیں کہ اپنے ملک میں تو ان کے پیسے پورے نہیں آتے' وہ خود کیسے آ سکتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے راؤ سکندر نے تو فرمایا "بے نظیر بھٹو پاکستان سے بھی بڑی لیڈر ہیں۔" سنا ہے کہ یہ بیان پڑھنے کے بعد بے نظیر بھٹو نے ڈائٹنگ

شروع کر دی تھی' اب تو وہ پھر سلم ہو گئی ہیں۔ ایسے ہی پیرپگاڑو نے ایک بار وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے بارے میں کہا "وہ کمزور وزیر اعلیٰ ہیں" یہ سنتے ہی غلام حیدر وائیں نے اپنی خوراک کی طرف توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ ہمارے ہاں تو کوئی شاعر'

موسیقار اور اداکار چھوٹا پیدا نہیں ہوتا' سیاست دان چھوٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ ان لیڈروں اور عام آدمیوں میں وہی فرق ہے جو سو ڈالر اور ایک ڈالر کے نوٹ میں ہے۔ ایک ڈالر کے نوٹ نے ایک بار سو ڈالر کے نوٹ سے پوچھا "کیسے ہو؟" سو ڈالر کا نوٹ بولا "مزے ہیں۔ ایک بار کسینو گیا' پھر ایک شپ مین کو ملا' دنیا گھوم پھر کر امریکہ آیا' کچھ بیس بال کے میچ دیکھے۔ تم بتاؤ؟" ایک ڈالر کا نوٹ بولا "کیا بتاؤں! وہی چرچ' چرچ' چرچ"

سردیوں کی یہ بارش ہر کسی کے لئے اتنی مفید تھی جتنی مفید بارش پشتو فلموں کے فلمسازوں کے لئے ہوتی ہے۔ حالیہ بارش سے خشک سالی کا دور ختم ہوا۔ خشک سالی نے بڑے مسئلے پیدا کئے تھے۔ ہمارے ایک شاعر دوست نے خشک سالی سے نجات کی دعا کی' جس سے اس کی بیوی بہت ناراض ہو گئی کہ "ایک تو تم اپنی سالی کو خشک کہہ رہے ہو اور اوپر سے اس سے نجات کی دعا کر رہے ہو" عمران خان اور قائد قلت فاروق لغاری نے تاحال بارش پر اپنی اپنی پارٹی پوزیشن واضح نہیں کی۔ قاضی حسین احمد تو اسلامی بھٹو ہیں' بارش نہ بھی ہو تب بھی انہیں برسنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ ہمیں حیرانی یہ ہے کہ ابھی تک علامہ طاہر القادری کے کارکنان نے یہ نہیں کہا کہ بارش پروفیسر صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے کیونکہ ان کے جلسے بڑے' با۔رش ہیں۔ بے نظیر بھٹو اور علامہ طاہر القادری کے کارکنان یہ ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں کہ دونوں میں سے بڑا لیڈر کون ہے۔ ہمیں چونکہ دونوں کی عمروں کا پکا پتہ نہیں' اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ دونوں میں سے بڑا لیڈر کون ہے! موسیقی کے بارے میں ہمارا علم لاعلمی تک ہی ہے البتہ اگر عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے گانے چند گھنٹے مسلسل سن لیں تو ہمارا گلہ خراب ہو جاتا ہے لیکن ہم نے یہ پڑھا ہے کچھ راگ گا کر بارش برسائی جا سکتی ہے اور گانے والے لیڈروں میں نواز شریف ایسے ہیں جن کے گیت دوسرے ہی نہیں گاتے وہ خود بھی گاتے ہیں۔ اگر نواز شریف کو لوگوں نے گاتے ہوئے سن نہ لیا ہوتا تو وہ اس وقت بہت بڑے گلوکار ہوتے۔ سو ہمارا خیال یہ ہے کہ نواز شریف نے کوئی راگ

چھیڑ کر بارش کروائی ہے۔ ویسے بھی ان کی حکومت ہے اور کسی کے دور حکومت میں جو کچھ اچھا ہوتا ہے' وہ فصل ہو یا موسم' وہ اس حکومت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

○○○

- مولانا سنسر بورڈ

اگرچہ جمہوریت کا مطلب تو یہ ہے کہ عوام پر حکومت کرنے والے عوام سے بہتر نہیں ہونے چاہئیں لیکن ہم اس معاملے میں بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہمارے حکمران عوام سے بہت ہی بہتر ہیں جیسے نوابزادہ نصراللہ خان تو حقہ بھی اپنے لئے نہیں پیتے جمہوریت کے لئے پیتے ہیں۔ ایسے ہی حکمران سب کچھ جمہوریت کے لئے کرتے ہیں۔ جمہوری دور میں ہر چیز میں جمہوریت نظر آنا چاہیے' اس لئے ہماری خواہش تھی کہ سنسر بورڈ بھی جمہوریت کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ آخر ہمارے ہاں نوے فیصد لوگ فلم نہیں دیکھتے پھر بہت سے لوگ ایسے ہیں جو فلم دیکھتے ہیں مگر ان کو سمجھ نہیں آتی۔ سنسر بورڈ میں ان کی نمائندگی کرنے کے لئے علماء بھی ہونے چاہئیں ہمارے ہاں سیاسی علماء کے ساتھ ساتھ فلمی علماء کی بھی کمی نہیں۔ جب پاسبان کی عدالتیں لگتیں تو ان میں قاضی حسین احمد ایسے ہی آتے جیسے سلطان راہی شوٹنگ کے لئے آتے تھے' اسی لئے بی بی سی کے عارف وقار نے ہمارا ٹیلیفونک انٹرویو کیا تو پوچھا "سلطان راہی کا خلا کون پر کرے گا؟" ہم نے عرض کیا "قاضی حسین احمد" انہوں نے وجہ پوچھی تو ہم نے کہا "ظالموں کو جس طرح سلطان راہی فلموں میں للکارتا تھا اب ایسے قاضی حسین احمد ہی للکار سکتے ہیں" بہرحال ضروری نہیں تھا کہ علماء فلموں میں ہوں یہ ضروری تھا کہ وہ سنسر بورڈ میں ہوں۔ سو جب ہم نے خبر پڑھی کہ مولانا نور محمد اور جاوید پراچہ کو پشتو فلمی سنسر بورڈ کا رکن بنایا جا رہا ہے تو ہمیں خوشی ہوئی۔ بھٹو دور میں پہلی بار علماء کو سنسر بورڈ کا ممبر بنایا گیا تو وہ فلم دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تصویریں چلتی پھرتی اور بولتی ہیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں ہر طبقے کے فرد کو فلمی سنسر بورڈ کا ممبر ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ درزی کو بھی۔ اس سے اچھی قینچی کون چلا سکتا ہے۔ ویسے تو اگر درزی فلم یونٹ کا ممبر ہو تو سنسر کی ضرورت ہی نہ رہے۔

فلموں کے متعلق ہماری بھی وہی رائے ہے جو امریکی شہری گولڈ اسٹائن کی تھی۔ انہوں نے کبھی فلم نہ دیکھی۔ 95 سال کی عمر میں ان کے پوتے پوتیوں نے کہا "بڈھا مرنے کو ہے کیوں نہ اسے مرنے سے پہلے فلم دکھا دی جائے۔" وہ اسے سینما لے گئے۔ فلم دکھانے کے بعد اس سے پوچھا گیا کہ آپ کو فلم کیسی لگی؟ تو وہ بولا "بالکل بکواس جب لڑکا اظہار محبت کر رہا تھا لڑکی اظہار نفرت کر رہی تھی جب لڑکی اظہار محبت کر رہی تھی تو لڑکا اظہار نفرت کر رہا تھا۔ جب دونوں نے محبت کرنا شروع کی تو فلم ختم ہو گئی۔" فلمی سنسر بورڈ دراصل وہ بورڈ ہوتا ہے جو فحاشی تلاش کرتا ہے۔ اس کے لئے انہیں ایک سین کئی کئی بار دیکھنا پڑتا ہے۔ وہ ہر اس حصے کو اچھی طرح دیکھتے ہیں جو اچھا نہ ہو۔ جارج برنارڈشا کہتا ہے فحاشی ہر کتاب میں ڈھونڈی جا سکتی ہے صرف ایک کتاب ہے جس میں فحاشی نہیں وہ ہے ٹیلیفون ڈائریکٹری۔ یہ بات پرانی ہو گئی ہے۔ اب تو دنیا کی آدھی فحش باتیں اسی کتاب کے نمبروں پر ہوتی ہیں۔ ایسے ہی کوئی فلم ایسی نہیں جس میں فحاشی نہ مل سکے سوائے اس فلم کے جس کو ابھی فلمایا نہ گیا ہو۔

مولانا نور محمد اور جاوید پراچہ کو سنسر بورڈ کا ممبر بنانے کی سمجھ تو آتی ہے لیکن انہیں پشتو فلمی سنسر بورڈ کا ممبر پتہ نہیں کیوں بنایا گیا۔ پشتو فلمیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں دیکھنے کے لئے پشتو آنا ضروری نہیں' اسی لئے ممبران بیشتر ایسے ہوتے تھے جنہیں پشتو نہیں آتی تھی۔ پتہ نہیں مولانا نور محمد اور جاوید پراچہ کو پشتو سنسر بورڈ میں شامل کرنے کی بات ان کو ٹھیک کرنے کے لئے کی گئی یا فلمسازوں کو ٹھیک کرنے کے لئے۔ سنسر بورڈ والوں سے ہمیں تو یہ شکایت ہے کہ وہ حصے جو ہمارے دیکھنے والے ہوتے ہیں انہیں وہ دیکھ جاتے ہیں بلکہ کاٹ لے جاتے ہیں البتہ ان پر ترس بھی آتا ہے کہ انہیں پوری فلم دیکھنا پڑتی ہے۔ ہمارے ایک ممتاز فزیشن سے کسی نے پوچھا "سر درد دیکھنے میں کیسا ہوتا ہے؟" تو اس نے کہا "ہماری فلموں جیسا" ہمیں ایک سابقہ ممبر سنسر بورڈ نے فحاشی کی تعریف یوں بتائی کہ جسے دوبارہ دیکھنا پڑے جبکہ مولانا نور محمد صاحب سے

کسی نے کہا فحاشی کی تعریف کریں تو بولے ایسا زمانہ کبھی نہیں آئے گا کہ ہمارے ہاں فحاشی کی تعریف ہو۔

ہو سکتا ہے انہیں پشتو فلموں کے سنسر بورڈ میں اس لئے شامل کیا گیا ہو کہ ان کی نظر کمزور ہو کیونکہ پشتو فلموں میں یہ خوبی ہے کہ اسے کمزور نظر و نیت حضرات بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بقول یوسفی "ایران میں نسوانی حسن کا معیار چالیس صفات ہیں۔ مشہور ہے فرہاد کی شیریں میں انتالیس موجود تھیں۔ چالیسویں صفت کے بارے میں مورخ خاموش ہیں لہٰذا گمان ہے کہ اس کا تعلق چال چلن سے ہو گا۔" پشتو رقص کی دس صفات ہیں جن میں پہلی نو کا تعلق یوسفی صاحب کی چالیسویں صفت سے ہے جبکہ دسویں صفت موٹاپا ہے باہر کے ملکوں میں ہیروئن جب موٹی اور بھدی ہو جاتی ہے تو ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے' ہمارے ہاں پشتو فلموں کے ڈاریکٹر کے پاس جاتی ہے۔ اکثر پشتو فلمیں ہیروئنوں نے انگریزی لباس پہنا ہوتا ہے جو یوں ہوتا ہے کہ لگتا ہے کوزے میں سمندر بند کیا گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں رہنے کی وجہ سے انہیں ہیروئن بھی وہ پسند ہے جو پہاڑ لگے۔ پشتو فلمساز فلم بنانے کے لئے چھوٹی بچی کے کپڑے لیتے ہیں۔ اس میں سب سے "وزنی" ہیروئن ڈال کر اسے سکرین پر انڈیل دیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں مولانا نور محمد اور جاوید پراچہ کتنا وزن اٹھاتے ہیں۔

- **عمرانیات (جدید)**

عمران خان کے ہم اس وقت کے فین ہیں جب ابھی وہ سیاست میں نہیں آئے تھے۔ ہمارے خیال میں اب بھی ان کے جتنے فین ہیں وہ اسی وقت کے ہیں۔ جیسے اصغر خان صاحب الیکشن ہارنے کے لئے جتنی محنت کرتے ہیں اس سے کم محنت میں بندہ الیکشن جیت بھی سکتا ہے۔ خیر الیکشن کے معاملے میں تو ان کا قدم اتنا مبارک ہوتا ہے کہ وہ جس حلقے سے کھڑے ہو جائیں وہاں کا مخالف امیدوار کامیاب ہو جاتا ہے کیونکہ اصغر خان وہ لیڈر ہیں جو بلامقابلہ بھی الیکشن میں کھڑے ہوں تو ہار جائیں۔ عمران نے بھی سیاست میں بڑی محنت سے اپنی مقبولیت کم کی ہے۔ سیاست میں وہ کیسے آئے اس کی مثال اس امریکی کی سی ہے جس نے اپنی بہادری کا قصہ سناتے ہوئے بتایا کہ ایک دن ہمارے کرنل نے کہا "مجھے نہایت خطرناک کام کے لئے ایک بہت ہی بہادر اور دلیر نوجوان چاہیے۔ اس مشن میں خطرہ بہت ہے جو جوان اس کام کے لئے جانا چاہتا ہے وہ ایک قدم آگے آ جائے تو میں اپنے ساتھیوں میں سب سے آگے تھا" دوست نے حیران ہو کر پوچھا " اچھا تم نے ایک قدم آگے بڑھا لیا تھا؟" تو وہ بولا "نہیں' میرے دوسرے ساتھی ایک قدم پیچھے ہٹ گئے تھے۔" عمران خان جسے لوگ دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے تھے' جب اس نے لوگوں کی طرف دیکھا تو لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ پورے پاکستان سے انہیں اتنے ووٹ نہ مل سکے جتنے نوٹ وہ ایک محلے سے اکٹھے کر لیا کرتے تھے۔

آج کل وہ ہسپتال اور تحریک انصاف چلا رہے ہیں بلکہ تحریک انصاف جیسے چل رہی ہے اس سے لگتا ہے وہ اسے انتظار حسین کی کار کی طرح چلا رہے ہیں۔ انتظار حسین کار ایسے چلاتے ہیں کہ انہیں یہ کچھ کرتا دیکھ کر ایک صاحب نے کہا تھا "انتظار صاحب آپ نے کار تو لے لی ہے' اب سے چلانے کے لئے ایک سڑک بھی لے لیں" عمران خان دن رات ایک کرکے ہسپتال کی ضروریات پوری کرتے ہیں حالانکہ ہسپتال کی سب

سے اہم ضرورت تو ہم جیسے پوری کر رہے ہیں جس کے بغیر ہسپتال ایک دن بھی نہیں چل سکتا یعنی مریض بھیج دیتے ہیں۔ عمران خان کئی سالوں سے چپ ہیں' یہاں سالوں سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ ایک بار ہم نے لکھ دیا تھا کہ مصطفیٰ کھر کئی سالوں سے پریشان ہیں تو انہوں نے غصے میں وضاحت کی تھی کہ میں ہرگز اپنے سالوں سے پریشان نہیں ہوں بہرحال اب تو جو بندہ عمران خان کا بیان ڈھونڈ رہا ہو ہم اسے مزاح نگار سمجھنے لگتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تازہ بیان میں فرمایا ہے میں تاحیات چیئرمین بنائے جانے پر پارٹی چھوڑ دوں گا۔ اگرچہ انہوں نے واضح نہیں کیا کہ کس پارٹی کا انہیں تاحیات چیئرمین بنایا جائے تو اس پارٹی کو چھوڑ دوں گا۔ ہمارے خیال میں ان کا اشارہ تحریک انصاف کی طرف ہی ہے کیونکہ یہی وہ پارٹی ہے جس کے تاحیات چیئرمین بننے پر کوئی ایسا کر سکتا ہے۔

ہمارے ہاں بڑے لوگ بیرون ملک پراپرٹی اور اندرون ملک پارٹی ضرور رکھتے ہیں۔ مسرت شاہین تک کے پاس ذاتی پارٹی ہے۔ خیر جب ان کے پاس پارٹی نہیں تھی تب بھی وہ جا رہی ہوتیں تو لوگ یہ کہتے "دیکھو پارٹی جا رہی ہے" جیسے جاپان میں جس کے پاس پارکنگ کی جگہ ہو وہ کار رکھ لیتا ہے۔ ہمارے ہاں جس کی جیب میں جگہ ہو وہ پارٹی رکھ لیتا ہے۔ اگر پارٹی بندے سے بڑی ہو تو وہ آصف زرداری بن جاتا ہے۔ بندہ پارٹی سے بڑا ہو تو لوگ اسے نوابزادہ' نوابزدہ کہنے لگتے ہیں۔ عمران خان کے بیان سے لگتا ہے انہیں بے نظیر بھٹو کے پیپلز پارٹی کی تاحیات چیئرپرسن بننے پراعتراض ہے۔ اگر وہ تاحیات چیئر"مین" بنتیں تو ہمیں بھی اعتراض ہوتا۔ ایسے ہی جیسے جب بے نظیر بھٹو نے کہا تھا نیلسن منڈیلا بننا چاہتی ہوں تو اعجاز الحق صاحب نے میڈیکل گراؤنڈ پر اعتراض کر دیا تھا۔ بے نظیر بھٹو کو اگر تاحیات چیئرپرسن نہ بھی بنایا جاتا تب بھی جب تک پیپلز پارٹی حیات ہے وہ اس کی چیئرپرسن رہیں گی۔ اس کی وجہ بے نظیر بھٹو کی دو خوبیاں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی ہیں اور دوسری یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو جیسا لیڈر ان کا والد تھا۔ محترمہ کا دوسرا نام پیپلز پارٹی ہے' اسی لیے ڈاکٹر غلام

حسین نے کہا تھا کمہ پیپلز پارٹی آصف زرداری کی بیوی ہے۔ امتحان میں ایک بار اردو کے استاد نے اپنے طالب علم سے پوچھا "تم نے انور سجاد کا جو علامتی افسانہ پڑھا اس کا مطلب کیا ہے؟" تو طالب علم بولا "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے پاس کرنا نہیں چاہتے۔" ایسے ہی بے نظیر بھٹو جیسی سیاست کر رہی ہیں اس سے لگتا ہے وہ سیاست کرنا نہیں چاہتیں۔ نواز شریف جیسی حکومت کررہے ہیں اس لیے لگتا ہے وہ حکومت کرنا نہیں چاہتے اور عمران خان جیسے پارٹی چلا رہے ہیں اس سے بھی لگتا ہے وہ بھی یہی چاہتے ہیں۔ تحریک انصاف میں انصاف ہو تو وہ تحریک نہیں ہے جیسے عوامی تحریک میں عوام ہو نہ ہو تحریک ہے۔ ہو سکتا ہے عمران خان نے تاحیات کا لفظ اپنی حیات کے بجائے تحریک انصاف کی حیات کے لئے استعمال کیا ہو۔ ہمیں تو لگتا ہے تحریک انصاف تبھی تک حیات ہے جب تک عمران خان اس کے چیئرمین ہیں۔ اس حساب سے تو وہ پہلے ہی اپنی پارٹی کے تاحیات چیئرمین ہیں۔

○○○

• گمشدہ صدر مملکت

جب سے بھارتی صدر نارائن کے لاپتہ ہونے کی خبر ٹیلی کاسٹ ہوئی ہے ہمیں اپنے صدر کی فکر پڑ گئی ہے کیونکہ وہ بھی آٹھویں ترمیم کے خاتمے کے بعد سے نظر نہیں آ رہے۔ دوردرشن کے بنگلور سٹیشن نے گمشدہ لوگوں کی تلاش کے پروگرام میں بھارتی صدر کی تصویر ٹیلی کاسٹ کردی اور ساتھ کہا کہ اگر کوئی شخص ان کے بارے میں بتانا چاہے تو پولیس سے رابطہ کرے۔ تب سے ہی ہم نے احتیاطاً تلاش گمشدہ کے اشتہار دیکھنے شروع کر دیئے ہیں جیسے کسی امریکی نے کہا تھا۔ "میرے دو بھائی تھے۔ ایک سمندر میں اتر گیا اور دوسرا امریکہ کا نائب صدر بن گیا۔ اس کے بعد دونوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔"

آٹھویں ترمیم کے بعد ہمارا صدر بھی امریکہ کا نائب صدر لگتا ہے صدروں کے پاس صرف صدریاں ہی بچتی ہیں۔ صدر فضل الٰہی چودھری کے زمانے میں تو لوگوں نے ایوان صدر پر لکھ کر لگا دیا تھا کہ صدر کو رہا کریں۔ ایسے ہی ہمارے گوجرانوالہ کے ایک رہنما نوید انور نوید ہر دوسرے تیسرے روز گرلز کالج گوجرانوالہ کی دیواروں پر لکھ کر لگا دیتے کہ نوید انور نوید کو رہا کرو۔ یہاں تک کہ تنگ آکر کالج انتظامیہ کو وضاحت کرنا پڑی کہ ہمارے کالج میں اس نام کا کوئی بندہ بند نہیں۔

صدر رفیق تارڑ صاحب میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ ہمیں ان میں سے اگر یہی یاد آرہی ہے کہ وہ صدر پاکستان ہیں تو اس میں ہمارے حافظے کا قصور ہے جیسے مشاعروں کی صدارت کی واحد شرط یہ ہوتی ہے کہ شاعر کی عمر خود سے کافی بڑی ہو اور وہ سوتے ہوئے خراٹے نہ لیتا ہو تاکہ مشاعرہ ڈسٹرب نہ ہو۔ صدر پاکستان کے لئے بھی یہی کوالٹی چاہیے کہ وہ دوران مینڈیٹ خراٹے نہ لیا کرے۔ پاکستان میں بے روزگاری اتنی ہے کہ صدر کی ایک پوسٹ کے لئے بے شمار امیدوار ہوتے ہیں پھر یہ واحد پوسٹ ہے جس کے لئے واحد کوالیفکیشن 45 برس سے زیادہ کا ہونا ہے۔ رفیق تارڑ صاحب کے صدر بننے پر

ان کی بیوی نے جو انٹرویو دیا اس میں کہا تھا "مجھے ان کے صدر بننے کا جب پتہ چلا تو یقین نہ آیا" اب انہیں تو یقین آ گیا ہے لیکن صدر صاحب کو خود اپنے صدر بننے کا ابھی تک یقین نہیں آیا۔ وزیراعظم جونیجو ہمارے وہ وزیراعظم تھے جنھوں نے وزیراعظم ہونے کے بعد وزیراعظم بننے کی کوشش کی اور ناکام رہے لیکن صدر تارڑ صاحب نے ایسا نہیں کیا اور کامیاب ہیں۔ ہمارے ہاں پہلے وزیراعظم صدر کو گھر سے ایوان صدر تک پہنچاتا اور صدر کا کام وزیراعظم کو ایوان اقتدار سے گھر پہنچانا ہوتا لیکن آٹھویں ترمیم کے بعد صدر کا کام صرف وزیراعظم کو کار تک پہنچانا رہ جاتا ہے۔ کہتے ہیں چودھری فضل الٰہی صاحب پر نظر پڑنے سے پہلے ذوالفقار علی بھٹو کو بیگم شاہ نواز صدارت کے لئے پسند آئیں۔ بیگم شاہ نواز میں دو صدور جتنی اہلیت تھی۔ یعنی وہ نوے سال سے اوپر کی تھیں۔ اردشیر کاؤس جی لکھتے ہیں میں نے بیگم شاہ نواز کے بھائی میاں اقبال شفیع کو اس بارے میں فون کیا تو انہوں نے جواب دیا "ہاں اس قسم کی خبر اڑ رہی ہے۔ میری ہمشیرہ نوے سال سے اوپر کی ہیں۔ وہ صدر کے عہدے پر فائز ہونے کی پوری اہلیت رکھتی ہیں۔ ان کی بصارت کمزور ہو چکی ہے۔ وہ بڑی مشکل سے بات کرتی ہیں اور بغیر سہارے کے چل نہیں سکتیں۔ ہم توقع کر رہے ہیں کہ انہیں نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔" چند دنوں بعد اقبال شفیع صاحب نے پھر کاؤس جی کو فون کیا اور کہا "ایک بری خبر سن لو جہاں آرا شاہ نواز کا صدر بننے کا امکان کم ہو گیا ہے۔ ان کے ایک کان کی سماعت واپس آ گئی ہے۔ ان کی بینائی بھی بہتر ہو گئی ہے اور انہوں نے اپنی نرس کو دھکا دے کر پرے پھینک دیا ہے۔ اب وہ صدر بننے کی صلاحیتوں سے محروم ہو گئی ہیں۔" ہمیں بھارتی صدر نارائن کا تو پتہ نہیں، صدر رفیق تارڑ صاحب کا زیادہ پتہ ہے۔ نواز شریف ان کو اپنا بزرگ سمجھتے ہیں اور یہ نواز شریف کی گھر کی تربیت ہے کہ وہ اپنے سامنے بزرگوں کو کوئی کام نہیں کرنے دیتے۔ احتراماً ان کے زیادہ تر کام خود کر دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام کام نواز شریف ہی کرتے ہیں۔

صدر صاحب نے بھی بڑے کام کئے جیسے انہوں نے ایوان صدر کے کچن کا خرچہ آدھا کردیا۔ صدر صاحب وطن کی مٹی کو نوٹوں سے قیمتی سمجھتے ہیں۔ یہ ہے بھی درست۔ آپ ایک سال مٹی اور کرنسی کو رکھیں تو کرنسی کی قیمت کم ہو جائے گی' مٹی کی بڑھ جائے گی۔ جیسے بے نظیر بھٹو بڑی دانشور ہیں مگر اپنی باتوں سے اس کا پتہ نہیں چلنے دیتیں ایسے ہی صدر رفیق تارڑ پتہ نہیں چلنے دیتے وہ صدر ہیں' اسی لئے چند روز قبل پشاور ریڈیو سے خبروں میں ان کے بجائے صدر کی جگہ فاروق لغاری صاحب کا نام نشر ہو گیا۔ امریکہ ہوتا تو صدر سے پوچھے بغیر کوئی ایسا نہ کرتا۔ کہتے ہیں امریکی صدر کیلون کے مرنے کی اطلاع جب ڈور تھی پارکر کو ملی تو اس نے کہا "میں اس پر تب تک یقین نہیں کروں گی جب تک صدر کیلون اس کی تصدیق نہ کر دیں" لیکن رفیق صاحب تو اتنے نیک انسان ہیں کہ انہیں کسی نے کہہ دیا کہ صدر گم ہو گیا ہے تو انہوں نے خود اس کی تلاش میں نکل پڑنا ہے۔ ہمارے پنجاب کے ایک سابق مخدوم گورنر ایسے گزرے ہیں' کوئی ان کے پاس اپنا مسئلہ لے کر جاتا تو وہ ہاتھ اٹھا کر کہتے دعا کریں بعد میں تو یہ حالت ہو گئی کہ وہ ملاقاتی کو دیکھتے ہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیتے۔ اکثر انہیں ملنے والے لوگ یہی کہتے سنے گئے کہ مخدوم صاحب کوئی ہمارے لائق کام ہو تو بتائیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ صدر رفیق صاحب کا ہے لوگ ان کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ پچھلی بارشوں میں جب پتہ چلا کہ ایوان صدر کی چھتیں ٹپک رہی ہیں تو کئی لوگوں نے ہمیں کہا کہ وہ چندہ کرکے صدر صاحب کی چھتوں پر مٹی ڈلوانا چاہتے ہیں۔ ہمیں امید ہے یہ چھوٹے چھوٹے لوگ صدر صاحب کو لاپتہ نہیں ہونے دیں گے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں یہ چھوٹے کچھ نہیں کر سکتے تو جا کر بستر پر سو جائیں' اس کمرے میں جہاں ایک مچھر ہو۔

• شہ بازیاں

جیسے بے نظیر بھٹو اکیلی دو مردوں کا کام کرتی ہیں ان میں سے ایک تو آصف زرداری ہیں دوسرا کون ہے معلوم نہیں۔ ایسے ہی شہباز شریف اکیلے مل کر کئی "شریفوں" جتنا کام کرتے ہیں جس دن کوئی کام نہ کریں تھک جاتے ہیں۔ ان جیسے ایک امریکی نے کہا تھا "پہلے میں سمجھتا تھا میں آئرن کی کمی یا وٹامن کی وجہ سے یا دیگر وجوہات کی بنا پر تھکا رہتا ہوں لیکن آج اصل وجہ کا پتہ چلا کہ میں تو زیادہ کام کرنے کی وجہ سے تھکا رہتا ہوں۔ میں سمجھاتا ہوں یہ کیسے ہے۔ امریکہ کی آبادی 239 ملین ہے' 106 ملین ریٹائرڈ ہیں' باقی 133 ملین کو کام کرنا پڑتا ہے ان میں سے 83 ملین تو سکول ایج کے ہیں۔ 30 ملین ایسے جو 1950ء سے پی ایچ ڈی کے لئے لگے ہوئے ہیں جن کے بعد صرف 49.99997 ملین رہ جاتے ہیں جنہیں کام کرنا ہے۔ ان میں 4 ملین 499 ہزار مسلح افواج ہیں۔ باقی کام کے قابل ساڑھے پینتالیس ملین بچتے ہیں جن میں 29.4 ملین وفاقی ملازم ہیں کام کرنے والے 16.1 بچتے ہیں۔ ان میں سے بھی آدھے تو صوبائی اور بلدیاتی ملازم ہیں سو کام کرنے کے لئے 140000 بچے - ان میں سے 895,798 تو جیلوں میں قید ہیں باقی صرف 505,202 کام کر سکتے ہیں۔ 504,200 افراد ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں' دوا لیتے ہیں یا بیماری کی چھٹی پر ہیں۔ باقی صرف دو بندے بچتے ہیں آپ اور میں۔ آپ بیٹھے پڑھ رہے ہیں باقی میں بچتا ہوں جسے سارے کام کرنے ہیں۔" ایسے ہی شہباز شریف صاحب کو ہی سارے کام کرنے ہیں' اس لئے انہیں دیکھیں تو پتہ نہیں چلتا پیشانی کہاں ختم ہوئی اور پریشانی کہاں سے شروع ہوئی۔ انہوں نے لاس اینجلس میں فرمایا ہے کہ ملک میں بے روزگاری اور غربت سے انہیں پریشانی نہیں اصل پریشانی تعلیم کا فقدان ہے۔

صاحب کسی عورت کا پتہ کرنا ہو وہ کیسی ہے تو پتہ کریں وہ کن باتوں پر ہنستی ہے'

مرد کا پتہ کرنا ہو تو ان چیزوں کی لسٹ بنائیں جن سے وہ پریشان ہوتا ہے۔ سیاست دان تعلیم سے اکثر پریشان رہتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح ان کے ووٹ کم ہو جاتے ہیں۔

ایک سیاست دان نے بتایا تھا "اگر مجھے تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل جاتا تو آج میں سیاست دان نہ ہوتا' پڑھا لکھا ہوتا۔" پڑھے لکھے ہونے کا نقصان بھی ہے بقول شیخ رشید اگر میں بی اے کر لیتا تو آج وزیر کی بجائے کہیں کلرک لگا ہوتا۔ کسی نے کہا تھا پاکستان کے مسائل کم کرنے ہیں تو یہاں سے سیاست دان کم کریں جنہیں کم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ ناخواندگی میں کمی کی جائے۔ پشتو حکایت ہے ایک بزرگ گاؤں سے گزرے۔ گاؤں والوں نے ان کی بہت خدمت کی تو انہوں نے دعا دی کہ خدا اس گاؤں میں ایک لیڈر پیدا کر دے۔ اگلے گاؤں گئے اس گاؤں والوں نے ان کے ساتھ برا سلوک کیا تو انہوں نے بددعا دی کہ خدا اس گاؤں کے ہر گھر میں لیڈر پیدا کر دے۔ سو ممکن ہے شہباز شریف چاہتے ہوں کہ مزید سیاست دان پیدا نہ ہوں۔

پاکستان میں تیرہ چودہ کروڑ انسان اور بے شمار سیاستدان رہتے ہیں۔ سیاست دان اس دن مرتا ہے جس دن فوت ہوتا ہے جبکہ بہت کم غریب اس دن تک زندہ ہوتے ہیں جس دن ان کا انتقال ہوتا ہے۔ پاکستان میں امیر ہونے کا کوئی اصول نہیں۔ البتہ غریب ہونے کا ایک ہی اصول ہے کہ ہمیشہ اصولوں پر چلیں۔ مہنگائی اس قدر ہے کہ جب بھوکے ہوتے تھے تو جتنی تنخواہ کا خواب دیکھا کرتے تھے اب اتنی تنخواہ میں بھوکے ہیں۔ حکومت وسائل نہیں و۔سائل پیدا کر رہی ہے۔ روزانہ دس ہزار افراد بالغ ہو رہے ہیں۔ پاکستان میں بالغ ہونے کا اردو مترادف بے روزگار ہونا ہے۔ خیر ملک سے بے روزگار کم کرنا ان کے لئے کونسا مسئلہ ہے۔ جیسے مسز تھیچر نے یہ اعلان کرکے کہ 16 سال سے 18 سال کی عمر کے لڑکوں کو بے روزگار نہیں مانا جائے گا۔ ایک ہی دن میں برطانیہ سے 30 فیصد بے روزگار کم کردیئے تھے۔ شریف برادران بھی یہ اعلان کرکے کہ صرف انہیں لوگوں کو بے روزگار مانا جائے گا جنہوں نے تحریک نجات میں حصہ لیا تھا ملک سے

ننانوے فیصد بے روزگاری کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے منظور وٹو صاحب نے بھی پرائمری تک ایسے ہی سو فیصد نقل ختم کر دی تھی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ پرائمری تک بغیر امتحان کے پاس کیا جائے۔ وہ ہوتے تو اب تک نقل ایم اے تک سو فیصد ختم ہو چکی ہوتی۔

ہم کہتے ہیں بندے کو علم حاصل کرنا چاہیے' چاہے اس کے لئے اسے دیال سنگھ کالج ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ علم کے بغیر تو بندہ آج کل اپنے گھر کا بجٹ نہیں بنا سکتا۔ تین چار ہزار میں گھر کا بجٹ کوئی بڑا پڑھا لکھا وزیر خزانہ ہی بنا سکتا ہے۔ جیسے آئن سٹائن کے پاس نیوزی لینڈ کے تین باشندے پوچھنے آئے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آئن سٹائن نے پہلے سے پوچھا "آپ کا آئی کیو"؟ وہ بولا "190" آئن سٹائن نے کہا "تمہارے ساتھ میں اٹامک فزکس میں ارنسٹ راتھرفورڈ کی خدمات اور اپنی تھیوری آف ریلیٹویٹی پر بحث کروں گا۔" دوسرے نے اپنا آئی کیو 150 بتایا تو آئن سٹائن بولا "تم سے میں نیوزی لینڈ کی نیوکلیئر فری پالیسی اور دنیا کا امن' پر بات کروں گا" تیسرے سے آئن سٹائن نے آئی کیو پوچھا وہ بولا "صرف 50" تو آئن سٹائن نے کہا "تو پھر بتاؤ اگلے سال بجٹ کا خسارہ کیسے پورا ہو سکتا ہے؟" ممکن ہے شہباز شریف نے یہ فیصلہ مسلم لیگیوں سے تنگ آ کر کیا ہو کیونکہ اب وزیروں' مشیروں کی سیٹیں تو فل ہیں جب تک باقی مسلم لیگی بہت پڑھ لکھ نہیں جاتے وہ میرٹ پر ان عہدوں کے امیدوار رہیں گے۔

کہتے ہیں رانا پھول ایک بار ایک ایم ایس سی لڑکی کی سفارش لے کر اس وقت کے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے پاس گئے۔ وائیں صاحب نے کہا "اسے نوکری ملے گی پر میرٹ پر" رانا پھول نے کہا۔ "جس ملک میں میرے جیسا ان پڑھ وزیر' میٹرک پاس وزیر اعلیٰ' بی اے پاس وزیراعظم ہو وہاں ایم ایس سی لڑکی کو میرٹ پر نوکری کہاں ملے گی۔" ہو سکتا ہے اسی لئے شہباز شریف چاہتے ہوں ملک میں لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو جائیں۔

- **نابالغہ آرائی**

بے نظیر بھٹو کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ نہ بھی بول رہی ہوں تو سنائی دیتی ہیں۔ بول رہی ہوں تو سننے والے سنائی دینے لگتے ہیں۔ کبھی اتنی اچھی مقرر تھیں کہ کسی موضوع کے حق اور مخالفت میں کچھ کہے بغیر گھنٹوں اس پر بول سکتیں۔ آج کل بولنے سے پہلے ہی اس کی حمایت یا مخالفت کر دیتی ہیں۔ صدر رفیق تارڑ میں یہ خوبی ہے کہ وہ سکرپٹ سے ہٹ کر مکالمے نہیں بولتے۔ نواز شریف کا سکرپٹ سے ہٹ کر بولنا تو درکنار وہ تو سکرپٹ سے ہٹ کر سنتے بھی نہیں۔ لیکن محترمہ جس رفتار سے فی البدیہہ بولتی ہیں' اس رفتار سے سن نہیں سکتیں۔ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں بے نظیر خطاب پر وزیر داخلہ شجاعت حسین نے کہا "اپوزیشن لیڈر کنڈرگارٹن کی بچی لگتی ہیں" یہ کہنا کہ سیاست دان مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتے' مبالغہ آرائی ہے' لیکن یہ پتہ نہیں چلا چودھری صاحب ایسے وزیر داخلہ ہیں کہ گجرات کے اکثر لوگ اپنے بچوں کو سکولوں کالجوں میں داخلہ دلوانے کے لئے ان کے پاس جاتے ہیں۔ وہ خود کو داخلے کے وزیر سمجھتے ہوئے داخلے دلوا بھی دیتے ہیں۔ جیسے غلام دستگیر خان جن دنوں لیبر منسٹر تھے وہ ایک لیبر روم چیک کرنے چلے گئے کہ وہ لیبر منسٹر ہیں اور لیبر روم ان کی وزارت میں آتے ہیں۔ بہرحال داخلوں کے وزیر شجاعت حسین صاحب کے محترمہ کو کنڈرگارٹن کی بچی کہنے پر بے نظیر خوش ہوں گی یا ناراض' معلوم نہیں۔ بظاہر تو اس سے انکی کم عمری کی طرف اشارہ لگتا ہے اور کسی خاتون کو کم عمر کہنادراصل اس کی تعریف کرنا ہے اوراس کو بڑی عمر کی کہنا برا بھلا کہنے کے زمرے میں آتا ہے۔ سو اگر وہ کہتے محترمہ اپنی تقریر سے بڑی بڑی لگی ہیں تو ممکن ہے محترمہ اس پر برا مانتیں۔

1963ء میں جان پروفیو نے کرسٹن کیلر کے ساتھ اپنے تعلقات کے بارے میں جھوٹ

بولا تو قائد ایوان نے کہا "اسمبلی میں سب سے فحش اور ننگی بات جھوٹ بولنا ہے" شاید اسی لئے ہمارے ہاں ایوان میں اکثر غیر پارلیمانی گفتگو ہوتی ہے۔ ایسے ایسے پارلیمنٹرین ہیں کہ ہو سکتا ہے وول راجر کی طرح ہمیں بھی کہنا پڑے کہ میں لطیفے بیان نہیں کرتا صرف پارلیمنٹ کی کارروائی لکھتا ہوں جوں کی توں۔ ہمارے سینیٹر جہانگیر بدر صاحب کو ہی لے لیں۔ ایک صحافی نے پوچھا "کب جہانگیر بدر غیر پارلیمانی گفتگو نہیں کر رہے ہوتے؟" پھر ہمارے جواب سے پہلے ہی بولے "اس وقت جب وہ چپ ہوں۔" بہرحال محترمہ کو شاید کنڈرگارٹن کی بچی اس لئے کہا گیا کہ محترمہ بچوں کی طرف صاف صاف سنا رہی تھیں۔ ایک شخص کی باتیں سن کر برنارڈشا نے اسے کہا تھا "تم پارلیمنٹرین نہیں بن سکتے' تمہاری باتیں تو صاف سمجھ میں آ رہی ہیں" لیکن محترمہ کی باتیں تو زنانہ لباس کی طرح ہوتی ہیں ان میں سب ظاہر ہوتا ہے۔ الیگزینڈر پوپ نے کہا تھا ادیبوں' شاعروں کو پرکھنے کا ایک ہی اصول ہے وہ یہ کہ جو بڑے ہوتے ہیں وہ دیوانے ہوتے ہیں اور جو چھوٹے شاعر ادیب ہوتے ہیں وہ احمق ہوتے ہیں لیکن یہ اصول سیاستدانوں پر نہیں لگتا بلکہ ان کی اس سے لگتی ہے۔ البتہ عوام کی بات اور ہے۔ ایک برطانوی دانشور نے کہا تھا میری آدھی قوم دیوانی ہے اور باقی آدھی ذہنی طور پر ٹھیک نہیں۔ الیکشن بوتھ وہ جگہیں ہوتی ہیں جہاں عوام یہ فیصلہ کرنے کے لئے لائن بنائے کھڑی ہوتی ہے کہ ان کی رقم کون خرچ کرے گا۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق ہر تیسرا پاکستانی نفسیاتی امراض کا شکار ہے۔ یاد رہے انہوں نے صرف پاکستانیوں کا بتایا ہے سیاستدانوں کا نہیں۔ بہرحال وہ مسئلہ جس کا آپ کے پاس کوئی حل نہ ہو وہ مسئلہ نہیں حقیقت ہوتی ہے۔ آپ اپنے دو دوستوں کے بارے میں سوچیں اگر وہ ذہنی طور پر ٹھیک ہیں تو اس پر پریشان ہو جائیں کہ تیسرے آپ ہیں۔ اس حساب سے تو اسمبلی میں تیسرا رکن ایسے افراد کا نمائندہ ہونا چاہیے جبکہ اسمبلی کی کارروائی دیکھ کر تو یہی لگتا ہے کہ ہر فرد ان کا ہی نمائندہ ہے۔ سیاست اور سرکس میں یہ فرق ہے

کہ سرکس میں مسخرے بولتے نہیں۔ وزیر ''نشریات'' مشاہد حسین نے پتہ نہیں کس ٹیسٹ کے بعد شہباز شریف کی تشخیص کو یہ کہہ کر کنفرم کردیا ہے کہ بے نظیر حواس

کھو چکی ہے۔

محترمہ نے حواس کہاں کھوئے ہیں معلوم نہیں لیکن وہ تلاش اسمبلی میں کررہی ہیں اس اداکارہ کی طرح جو سٹوڈیو کے باہر کھمبے کی روشنی میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ پوچھا ''یہاں کیا تلاش کر رہی ہو'' بولی ''اپنی چابیاں'' پوچھا ''کہاں گری ہیں؟'' بولی ''وہاں'' پوچھا ''پھر یہاں کیوں ڈھونڈ رہی ہو؟'' کہنے لگی ''یہاں روشنی ٹھیک ہے ناں'' جیسے کنوارا احمق اتنا احمق نہیں ہوتا ورنہ وہ کنوارا احمق نہ ہوتا۔ ایسے ہی دیوانہ سیاست دان اتنا دیوانہ نہیں ہوتا جتنا سیاست دان ہوتا ہے۔ کسی شخص کی خرابی صحت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ کس مرض میں مبتلا ہے۔ ایسے ہی قوم کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ اسے کون کون سے سیاست دان لاحق ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کوئی سیاستدان دیوانہ پن کا شکار نہیں بلکہ یہ وہ دیوانہ پن ہیں جس میں قوم مبتلا ہے۔

○○○

• کتا کیس

جو چند دن کے لئے بھی مرد رہا ہے وہ برجی باروت کو جانتا ہو گا۔ اس نے جوانی مردوں پر ضائع کر دی۔ اب وہ بڑھاپا جانوروں پر لگا رہی ہیں۔ برجی نے جو وصیت کی ہے وہ بھی حیران کرنے والی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرنے کے بعد مجھے قبرستان میں نہ دفنایا جائے کیونکہ وہاں رش بہت ہوتا ہے بلکہ مجھے کتوں کے ساتھ دفنا دیا جائے۔ ایک ڈرامے میں اداکارہ شیبا حسن نے البیلے کو کہا تھا کہ میری جوانی کے دن گزرنے کے بعد آئے ہو۔ تو البیلے نے فی البدیہہ کہا "آپ کی جوانی میں بھی آیا تھا لیکن رش دیکھ کر واپس چلا گیا تھا" جوانی کے زمانے میں برجی باروت کا بھی ایسا ہی معاملہ تھا۔ ان دنوں ان تک صرف مرد ہی پہنچ پائے لیکن اب برجی تک جانوروں کی رسائی ہے۔

قبرستان کو شہر خموشاں کہا جاتا ہے۔ خاموشی ہر بندے کو بھاتی ہے' خاص کر اس وقت جب وہ بول رہا ہو۔ جو لوگ جانوروں کو پسند کرتے ہیں یہ وہ ہوتے ہیں جنہیں خاموشی اتنی پسند ہوتی ہے کہ کسی بولنے والے کو ساتھ نہیں رکھنا چاہتے۔ برجی باروت جانوروں سے اتنا پیار کرتی ہیں کہ وہ کسی بندے سے پیار کی بات کرے تو وہ گھبرا جاتا ہے کہ یہ مجھے کیا سمجھ رہی ہے! اس کا شہر خموشاں کو ناپسند کرنا ہمیں سمجھ نہیں آیا۔

جانوروں میں رہ رہ کر برجی باروت خود ایسی ہو گئی ہے کہ اسے وہی بندہ پسند کر سکتا ہے جسے تھوڑا بہت جانوروں سے لگاؤ ہو۔ ہم مانتے ہیں کہ فی زمانہ قبرستان اور ویگنوں میں بڑا رش ہوتا ہے لیکن آج تک کسی نے اس رش کی وجہ سے قبرستان جانے سے انکار نہیں کیا۔ سب قبرستان کی تنہائی سے ڈرتے ہیں۔ برجی باروت تو پتہ نہیں' انسان کی موت مرنا بھی چاہتی ہے یا نہیں۔ مہاتما بدھ نے کہا تھا "اگر پیدا ہونے سے پہلے مجھ سے پوچھا جاتا تو میں پیدا ہونے سے انکار کر دیتا" ہو سکتا ہے کہ پیدائش کے وقت برجی کی رائے لی جاتی تو وہ انسان پیدا ہونے سے انکار کر دیتی۔

- راکھ رکھاؤ

ہم سمجھتے تھے بیسویں صدی کے مسائل اکیسویں صدی میں نمٹائیں گے لیکن طارق اسد صاحب کا مضمون پڑھ کر پتہ چلا کہ ہم صدی اور مسائل ساتھ ساتھ نپٹا رہے ہیں۔ ان کے مضمون سے پتہ چلا کہ اس صدی کا نمائندہ ناول اسی صدی میں لکھ لیا گیا ہے۔

ہم سمجھتے تھے ناول اور موت ہمیشہ بے وقت ہوتی ہے لیکن مستنصر حسین تارڑ نے اپنا ناول راکھ نہ صرف بروقت لکھ لیا بلکہ طارق اسد نے بروقت پڑھ بھی لیا ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگلی صدی میں جا کر پتہ چلتا کہ "راکھ" بیسویں صدی کا بڑا ناول ہے۔

طارق اسد نے اسے دم توڑتی صدی کا نمائندہ ناول کہا ہے۔ ہمیں تو دم توڑنے کے علاوہ دونوں میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ جہاں تک بڑا ناول ہونے کا سوال ہے تو یہ اتنا بڑا بھی نہیں 588 صفحوں کا ہی ہے۔ اتنا لمبا تو خواتین کا مختصر افسانہ ہوتا ہے۔

انیس ناگی کا سو صفحوں کا ناول بھی پڑھنے میں 588 صفحے کا ہوتا ہے۔ کتابوں پر فلیپ اور دیباچے اس لئے لکھوائے جاتے ہیں تاکہ بتایا جا سکے کہ اگر اس کتاب کی اشاعت نہ ہوتی تو ادب کو کتنا نقصان پہنچتا لیکن راکھ میں رکھ رکھاؤ کے باوجود ایسا کوئی اہتمام نہیں۔ ویسے بھی تارڑ صاحب تعریفوں کے لئے دوسروں کے محتاج نہیں۔ اس کی دو وجوہ ہیں ایک تو وہی ہے جو آپ کے ذہن میں ہے اور دوسری وجہ وہ ہے جو تارڑ صاحب کے ذہن میں ہے۔ ہمیں طارق اسد پر رشک آ رہا ہے کہ وہ اتنا عظیم ناول ختم کر چکے ہیں۔ ویسے کہتے ہیں کسی ناول کو ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگ اسے پڑھنا بند کر دیں۔ طارق اسد صاحب سے رشک کرنے کی اور وجوہ بھی ہیں جیسے ایک فلم ساز نے اپنی فلم کے پریمیئر پر اپنے نقاد دوست کو مدعو کیا' فلم کے خاتمے پر فلمساز نے دوست سے رائے پوچھی تو وہ بولا "میں تمام وقت اپنے سوئے ہوئے پاؤں پر رشک کرتا رہا" شاہد بتاتے ہیں مستنصر حسین تارڑ تب سے عالمی ادیب ہیں جب ابھی انہوں

نے لکھنا شروع بھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے منیر نیازی کے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب میں کہا "میری پہلی تحریر وائی ایم سی ہال میں سن کر منیرنیازی نے روزنامہ آزاد میں کالم لکھا جس میں عبداللہ حسین اور ڈی ایچ لارنس کے ساتھ میرا ذکر کیا۔" ہمیں تو اس پر بھی اعتراض نہیں کہ وہ اتنا لکھنے کے بعد وہیں کے وہیں ہیں جہاں پہلے دن تھے۔
مستنصر حسین تارڑ اور دوسرے ادیبوں میں یہ فرق ہے کہ یہ بچپن میں بھی مستنصر حسین تارڑ ہی تھے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ میں منٹو کے محلے میں رہتا تھا۔ یہ کہتے ہیں منٹو میرے محلے میں رہتا تھا منٹو ان کو پیسٹریاں کھلا کر وہ پوچھنا چاہتا تھا جسے پڑھتے ہوئے بھی اندر سے دروازہ بند کرنا پڑتا ہے۔ ان کے سفر ناموں میں لڑکیوں کا ذکر یوں آتا ہے جیسے ان کے بچپن میں برفی اور پیسٹریوں کا۔ ان کے سفرنامے پڑھ کر لگتا تھا یہ ضرور منٹو کے آس پاس رہتے ہوں گے لیکن اب پتہ چلا کہ یہ نہیں منٹو ان کے آس پاس رہتے تھے۔ منٹو صاحب کو محلے کی جن تین چیزوں کے بارے میں جاننے کا شوق تھا وہ تھیں لڑکیاں' خواتین اور عورتیں' خیر جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ عورت کو جانتا ہے وہ سائیکالوجسٹ ہے یا اسے سائیکالوجسٹ کی ضرورت ہے۔
لوگ کہتے ہیں مستنصر حسین تارڑ بہت بکتے ہیں۔ ہمیں تو صرف اتنا پتہ ہے کہ ان کی کتابیں بہت بکتی ہیں۔ جیسے عبادت میں خشوع و خضوع چاہیے تو سمندر کا سفر کریں۔ اگر سفر میں خشوع و خضوع چاہیے تو ہوائی سفر کریں۔ اگر سفرنامے میں خشو و خضوع مطلوب ہے تو اکیلے سفر کریں۔ یہی کرکے مستنصر حسین تارڑ نے سفرنامہ لکھنے پر اتنا عبور حاصل کر لیا ہے کہ وہ سفر کئے بغیر بھی اچھا سفرنامہ لکھ سکتے ہیں۔ جس زمانے میں پاکستانیوں کو ماسکو اور ماسکینو کی وجہ سے رات کو نیند نہ آتی ان دنوں یہ فرماتے کہ میری کتاب ماسکو یونیورسٹی میں پڑھائی جا رہی ہے۔ جب لوگوں نے ماسکو آنا جانا شروع کیا اور آ کر کہا کہ وہاں تارڑ صاحب کی کوئی کتاب نہیں پڑھائی جا رہی۔ روسی ماہر اردو لڈمیلہ نے بھی یہ کہا تو ہم نے لکھا ماسکو یونیورسٹی اتنی بڑی ہے کہ اگر ایک شخص یونیورسٹی کی عمارت میں پیدا ہو اور ہر کمرے میں رات بسر کرے اور 109 برس کی عمر پائے

تب بھی وہ یونیورسٹی سے باہر نہ نکل سکے گا۔ اسے یونیورسٹی سے نکلنے کے لئے 110 سال چاہئیں۔ سو یہ جاننے کے لئے کہ تارڑ صاحب کی کتاب ماسکو یونیورسٹی کے کس کمرے میں پڑھائی جا رہی ہے کم از کم پچاس سال تو چاہئیں۔ ہمارے ایک ماسکو ڈے گاما نے بتایا کہ روس میں مجھے مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں والی تمام لڑکیاں ملیں بلکہ وہ میری طرف یوں دیکھ رہی تھیں جیسے میں ہی مستنصر حسین تارڑ ہوں۔ دروغ برگردن دروغ گو یعقوب ناسک کے حوالے سے واقعہ ہے وہ ٹرام میں جا رہے تھے کہ ان کے ساتھ والی سیٹ پر ایک حسینہ آ کر بیٹھ گئی اور سوتے سوتے سر یعقوب ناسک کے کاندھے پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک یعقوب ناسک نے ضبط کیا' پھر اسے ہلا کر بولے "محترمہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میرا نام مستنصر حسین تارڑ نہیں ہے۔" روسی ماہر اردو لڈمیلہ شاید تارڑ صاحب کو اس لئے نہ جانتی ہو کہ ہمارا ادب اور ادیب روس تک پہنچتے پہنچتے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر اسلم گورا کی کتاب "یہ اداسی کی بات نہیں" کا روسی ترجمہ ہوا۔ مترجم نے افتخار عارف کا محبی مکرمی طاہر سلمہ کے نام سے لکھا دیباچہ روسی میں منتقل کیا تو اس میں ڈاکٹر طاہر اسلم کو طاہرہ اسلمہ گوری لکھا۔ ایک دوست نے کہا "لگتا ہے مترجم طاہر اسلم گورا کو نہیں جانتا" تو دوسرا بولا "لیکن یہ لگتا ہے کہ وہ افتخار عارف کو جانتا ہے۔"

ہم ناول راکھ کی تعریف اس لئے نہیں کر رہے کہ لوگ سمجھیں گے یا تو ہم نے ناول پڑھا ہی نہیں یا پھر ہم اتنے پڑھے لکھے ہی نہیں جو اس میں سے خامیاں نکال سکیں۔ ویسے بھی کتاب میں جو خوبیاں ہوتی ہیں انہیں مصنف نکالتا ہے۔ نقاد تو خامیاں نکالتے ہیں لیکن ہم نے نہیں نکالیں' رہنے دیں۔ پاکستان میں آج کل جو فکشن لکھا جا رہا ہے اس میں انکم ٹیکس کے گوشوارے' سیاسی پارٹیوں کے منشور اور حقائق ناموں کے علاوہ آپ بیتیاں قابل ذکر ہیں۔ ہم جیسی صحت والا شخص اگر آپ بیتی بھی لکھے تو اس میں بیماریوں کا اتنا ذکر ہو گا کہ لوگ اسے میڈیسن کی کتاب سمجھنے لگیں گے لیکن تارڑ

صاحب آپ بیتی لکھیں تو لوگ اسے ناول قرار دے دیتے ہیں۔ وہ سفرنامہ لکھیں تو اسے آپ بیتی کہنے لگتے ہیں۔ تارڑ صاحب ایک بڑے ادیب کے حوالے سے بتا رہے تھے کہ "پیار کا پہلا شہر" "جہان دانش" کے لیول کی آپ بیتی ہے۔ جہان دانش کے بارے میں قتیل شفائی کی رائے معلوم ہونے کے بعد ہم نے بھی "پیار کا پہلا شہر" کو جہان دانش کے ہم پلہ مان لیا۔ وہ کہتے ہیں "جتنا جھوٹ آپ بیتیوں میں بولا گیا شاید ہی کسی صنف میں بولا گیا ہو۔ دو بزرگ میرے سامنے ہیں۔ ایک جوش ملیح آبادی جنھوں نے اتنی برائیاں کی نہیں جتنی اپنی آپ بیتی میں درج کی ہیں۔ دوسرے احسان دانش ہیں جن سے اتنی نیکیاں سرزد نہیں ہوئیں جتنی ان کی کتاب جہان دانش میں ہیں۔" لیکن راکھ میں جھوٹی اور فرضی کہانیاں نہیں' اس لئے ہم اسے آپ بیتی نہیں ناول ہی سمجھتے ہیں جس میں تارڑ صاحب نے پاکستان کے پچاس سالوں پر روشنی بلکہ روشنائی ڈالی ہے۔

○○○

• ادبی ایجادات

ہم سائنسی ایجادات میں کسی سے پیچھے ہوں تو ہوں ادبی ایجادات میں کسی سے کم نہیں بلکہ ہمارے ہاں تو ایجاد سے زیادہ محنت یہ ثابت کرنے پر لگائی جاتی ہے کہ فلاں ایجاد کا موجد میں ہوں۔ ابھی تک نثری نظم کے موجد کا پتہ نہیں چل سکا۔ کچھ اس سلسلے میں قمر جمیل صاحب کا نام لیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک انیس ناگی اس کا موجد ہے۔ ایک محقق نے جب کہا "انیس ناگی ہی نثری نظم کا موجد ہے" تو کسی نے پوچھا "آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟" بولے "ہر ادبی فساد کے موجد وہی ہوتے ہیں" حالانکہ وہ انشائیے کے موجد نہیں۔ کچھ انشائیے کے موجد ہونے کا الزام ڈاکٹر وزیر آغا پر لگاتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے سابق رکن اسمبلی بادشاہ خان آفریدی' شیخ رشید پر کنوارہ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ مشکور حسین تو شکل ہی سے موجد لگتے ہیں۔ بعض لوگ انشائیہ ان کی ایجاد بتاتے ہیں۔ واقعی ان کے انشائیے پڑھیں تو وہ تخلیق کی بجائے ایجاد ہی لگتے ہیں۔ اب قتیل شفائی صاحب نے خماسی کا موجد ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ ہم نے چند خماسیاں پڑھ کر انہیں موجد مان بھی لیا۔ چند اور پڑھ لیتے تو پتہ نہیں کیا کیا مان جاتے۔ ہم پاکستانی ویسے بھی جلد یقین کر لیتے ہیں ہمیں کوئی کہے کہ کائنات میں چار ارب ستارے ہیں تو ہم فوراً مان لیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی کہے بنچ پر تازہ تازہ پینٹ کیا ہوا ہے تو اسے پہلے ہاتھ لگا کر چیک کریں گے۔

کہتے ہیں ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں ضرورت ہی انسان کی پہلی ایجاد ہے۔ ایجاد و دریافت کا عمل شروع سے شروع ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم دوسروں کی خیریت ہی دریافت کرتے ہیں' مغرب والے یہ بھی دریافت کر چکے ہیں کہ کائنات میں ہم سے کئی گنا زیادہ ذہین مخلوق آباد ہے۔ اس کے ذہین ہونے کا اس سے بڑا ثبوت

اور کیا ہو گا کہ اس مخلوق نے دنیا سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ موجد شاعروں اور سائنس دانوں میں فرق کا تو علم نہیں البتہ مولویوں اور سائنس دانوں کا فرق معلوم ہے سائنس دان یہ سوچتے ہیں کہ چوزے انڈے سے کیسے نکلتے ہیں اور مولوی یہ کہ چوزے اندر کیسے داخل ہوتے ہیں؟ ایک نقاد کے بقول شاعری اور سائنس میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ جس شاعر نے میٹرک میں سائنس پڑھی ہو اسے اردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر کہتے ہیں قتیل صاحب اس عمر میں ہیں جس میں خماسیاں بھی نواسیاں لگتی ہیں۔ ایجاد کی تعریف دوسرے کرتے ہیں لیکن ہمارے ہاں دوسرے اتنے قابل اعتبار نہیں ہوتے اس لئے خود ہی کرنا پڑتی ہے۔ ویسے بھی بندہ خود کو ہیرو نہیں بنائے گا تو دوسرے اسے ولن بنا دیں گے۔ افریقی کہاوت ہے "جب تک شیروں کے اپنے تاریخ دان نہیں ہوں گے شکار کی کہانیوں میں شکاری ہی ہیرو ہو گا۔"

شروع میں جب ہم نے قتیل شفائی صاحب سے خماسی کا لفظ سنا تب ہم خماسی سے زیادہ قتیل صاحب کو جانتے تھے اس لئے ہم نے اسے مشروب سمجھا۔ ہم تو عرصہ تک کوک شاستر کو بھی مشروب سمجھتے رہے اور خیال تھا کہ کوک شاستر ہےتو پیپسی شاستر بھی ہو گا۔ مشکل الفاظ ہمیں باآسانی مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ ایسے ہی جیسے پروفیسر سجاد باقر رضوی نے پبلک سروس کمشن میں فارسی کے ڈاکٹر سے پوچھا "نیمایوشیج کے بارے میں کچھ بتائیں؟" امیدوار بولا "میرا جغرافیہ کمزور ہے البتہ یہ ایرانی قصبہ ہے" پروفیسر سجاد باقر رضوی نے کہا "پہلے تو یہ فارسی کا عظیم شاعر تھا اب پتہ نہیں قصبہ ہو گیا ہو" لیکن قتیل شفائی صاحب نے خود ہی بتا دیا "میں رباعی لکھنے بیٹھا تھا سامنے ایسی تخلیقات آ گئیں، میں نے محسوس کیا کہ یہ رباعی سے الگ کوئی چیز ہے" ان کے شعر پڑھ کر اکثر ہمیں لگتا ہے کہ وہ بیٹھ کر لکھتے ہیں کیونکہ ان کے شعر بھی اسی حالت میں ہوتے ہیں جس میں لکھے جاتے ہیں۔ جہاں تک خماسی کی بات ہے، احمد ندیم قاسمی صاحب نے ہائیکو کے بارے میں کہا تھا "اسے وہ شاعر لکھتے ہیں جو چوتھا مصرع نہیں لکھ سکتے" خماسی

پانچ مصرعوں کی وہ نظم ہے جسے وہ شاعر لکھتے ہیں جنھوں نے موجد بننا ہو۔ قتیل صاحب کہتے ہیں خماسی اس لئے ایجاد کرنا پڑی کہ چار مصرعوں میں بات مکمل نہیں ہوتی۔ صحیح ہے کیونکہ جب کہنے کو کچھ نہ ہو تو بات چار مصرعوں میں مکمل نہیں ہوتی۔ قتیل صاحب فلمی آدمی ہیں وہ جانتے ہیں کہنے کو کچھ ہو تو بات اشاروں میں بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ انہوں نے خود ایک مشہور اداکارہ کے بارے میں کہا تھا اسے اشاروں کی زبان کے علاوہ کوئی زبان اچھی طرح نہیں آتی۔ اچھی نظم سمجھنے سے درمیانے درجے کی نظم کہنا آسان ہے۔ اسی لئے لوگ شاعری کرتے ہیں۔ عطا الحق قاسمی نے کہا تھا "میں تو اپنے آپ کو سفرنامہ نگار، طنز و مزاح نگار سمجھتا ہوں مجھے شاعر ماننا آپ کی مزاح نگاری ہے" قتیل صاحب خود بھی اپنے آپ کو شاعر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ مزاح نگار نہیں۔

ہم نے اشفاق احمد کی "صبحانے افسانے" پڑھی تو ایک دوست نے پوچھا "آپ اسے پڑھ کر کنفیوژ ہوئے؟" عرض کیا "نہیں" بولا "گویا تم نے کتاب توجہ سے نہیں پڑھی" اسے پتہ چلا کہ ہم قتیل شفائی کو پڑھتے ہیں تو بولا "پھر تمہاری شادی کیوں نہیں ہوئی؟" جیسے جاوید شاہین کی کتاب "میرے ماہ و سال" ان لوگوں کو پسند آتی ہے جن کی بیوی کو میکے گئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہو۔ ایسے ہی بقول اداکار زاہد سلیم "ہم تو لڑکی کو شادی پر رضامند کرنے کے لئے قتیل کے شعر استعمال کرتے ہیں۔" لیمرک کے بارے میں کسی نے کہا تھا "یہ تین قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو تب سنائی جاتی ہے جب خواتین موجود ہوں، دوسری وہ جو تب سنائی جاتی ہے جب خواتین نہیں ہوتیں اور تیسری وہ جو لیمرک ہوتی ہے" قتیل کی خماسیاں تین قسم کی نہیں بلکہ ہر قسم کی ہیں۔ ان کی خماسیاں پڑھ کر لگتا ہے، انہوں نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ کچھ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ ان کا سمندر ہی کوزے کے سائز کا ہے۔

مغرب کی عورتیں تو اس پر فخر کرتی ہیں کہ ہمارے آپریشن مردوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ یہی نہیں اس پر بھی کہ انہیں ٹھیک ہونے میں مردوں سے زیادہ دیر لگتی ہے۔

ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ جو کام کل ہو سکتا ہے اسے آج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ قتیل صاحب آج کا کام کل ہی کر چکے ہوتے ہیں۔ ان کا چہرہ کتابی ہے مگر یہ کتاب الجبرے کی لگتی ہے۔ سوچنے سے پہلے دو بار بولتے ہیں' معاملات میں اس رومن ڈاکٹر کی طرح ہیں جس نے کلینک کے باہر بورڈ لگا رکھا تھا کہ وہ عورتوں اور دوسرے امراض کے ماہر ہیں۔ قتیل صاحب اتنی محبت کرنے والے ہیں کہ مردوں تک سے محبت سے پیش آتے ہیں۔ موجد اپنی ایجاد کیسے کرتا ہے اس کا بعض اوقات موجد کو خود پتہ نہیں ہوتا۔ جیسے پچھلے دنوں حکیم طارق چغتائی صاحب کا مضمون پڑھ کر علم ہوا کہ نیوٹن دماغی دباؤ کا شکار تھا۔ پھر وہ جوتے بدلنے لگا۔ ایک جوتا اسے ایسا فٹ آیا کہ اس نے کشش ثقل دریافت کر لی۔ حکیم صاحب کے بقول تو جوتا بہتر' دماغ بہتر' جوتا سخت' دماغ سخت' جوتا نرم' دماغ نرم' ہمیں یقین ہے خود نیوٹن کو پتہ نہ ہو گا کہ اس نے کشش ثقل جوتے کے زور پر دریافت کی۔ ایسے ہی کچھ لوگ کہتے ہیں قتیل صاحب بھارت کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں مقیم تھے کہ ان کا کمرہ گم ہو گیا' اصل پریشانی کی بات یہ تھی کہ جب کمرہ گم ہوا وہ کمرے کے اندر تھے' اس سے کئی بدحواسیاں اور خماسیاں سرزد ہوئیں۔

موجدوں میں ہمیں قتیل شفائی اور غلام محمد موجد پسند ہیں۔ غلام محمد موجد نے ایٹم بم ایجاد کیا۔ وہ فرماتے ہیں "میرا ایٹم بم دوسرے سائنس دانوں کے بموں سے زیادہ مفید ہے۔ اس سے انسانیت کو کوئی خطرہ نہیں کیونکہ یہ بم چلتا نہیں" خماسی میں اور کوئی فائدہ نہ بھی ہو یہ کیا کم ہے کہ ہائیکو اور نثری نظم کی طرح اس کی کتاب کو بھی کتابی کیڑے نہیں لگتے۔

○○○

• قلم کوف

بابائے گفتگو اشفاق احمد صاحب کو تو بولنے کا اس قدر شوق ہے کہ اپنے ڈرامے کے ہر کردار میں بول رہے ہوتے ہیں۔ منیر نیازی کو اتنا شوق تو نہیں لیکن صحافی کو دیکھتے ہی بولنے لگتے ہیں۔ گفتگو کرنا بھی ایک کام ہے جو سمجھتے ہیں یہ کوئی کام نہیں وہ کسی وکیل سے بات کر لیں۔ منیر نیازی صاحب انٹرویو یوں دیتے ہیں جیسے اہل نصاب' زکوۃ ان کا انٹرویو بندہ پورا پڑھ لے تو رات کو مچھر نہیں کاٹتے۔ اپنے تازہ انٹرویو میں انہوں نے فرمایا ہے "میں سرہانے پستول رکھ کر سوتا ہوں وہ دن گئے جب کتاب سرہانے رکھ کر سوتے تھے" اگرچہ آج کل ہر دوسری کتاب ایسی ہے جسے پستول کی جگہ سرہانے رکھا جا سکے۔ لوگ کتاب اور کلاشنکوف ہی سے تو ڈرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایسے ایسے بڑے ناول ہیں کہ جنہیں ہر کوئی اپنے دفاع کے لئے استعمال کر سکتا ہے سوائے اس کے مصنف کے ہم تو کئی ادیبوں سے اس ڈر سے نہیں ملتے کہ کہیں وہ اپنی کتاب نہ نکال لیں۔ ایک زمانے میں لکھنے والے کا سب سے بڑا محافظ اس کا قلم ہوتا تھا۔ پھر قلم کی جگہ بال پوائنٹ آ گئے اہل قلم' اہل بال پوائنٹ بن گئے لیکن معاشرہ آج بھی شاعروں کا اتنا احترام کرتا ہے کہ جیب کترے کو پتہ چلے یہ شاعر ہے تو وہ اس کی جیب نہیں کاٹتا۔ سنا ہے ایک بار طفیل ہوشیارپوری ویگن میں آ رہے تھے کہ ڈاکہ پڑ گیا۔ ڈاکو سب کی تلاشی لیتے ان تک پہنچے اور پوچھا "کیا کرتے ہو؟" طفیل ہوشیارپوری صاحب نے بتایا کہ شاعر ہوں تو ڈاکو انہیں چھوڑ کر اگلے کی تلاشی لینے لگے۔ شاعروں کا اسلحہ تو شعر ہی ہوتے ہیں جس کے زور پر وہ مشاعرے لوٹتے ہیں۔ اختر الامان جب کراچی آئے تو ڈاکوؤں نے ان کی بیاض چھیننے کی کوشش کی جس کی وجہ ایک سیانے نے یہ بتائی کہ چونکہ کراچی سے زیادہ تر اسلحہ حکومت نے قبضے میں لے لیا ہے ڈاکو یہ بیاض اس لئے حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ آئندہ اخترالامان کا کلام سنا سنا کر لوگوں

کو لوٹ سکیں۔

ہم نے انور سجاد کو پڑھا ہے۔ اس کے باوجود انہیں پسند کرتے ہیں ایسے ہی ہم نے منیر نیازی کو سنا ہے مگر پھر بھی انہیں پڑھتے ہیں۔ ان کی باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آدمی کی عمر بڑھتی ہے تو اسے پتہ چلتا ہے لوگوں کا جن باتوں پر یقین ہے ان میں سے اکثر درست نہیں جیسے یہ کہ جوں جوں عمر بڑھتی ہے بندہ عقلمند ہوتا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے اگر کولمبس کسی سے مشورہ کر لیتاتو وہ امریکہ دریافت نہ کرتا۔ اس کے باوجود ہم کسی سے مشورہ نہیں کرتے۔ ہماری رائے بلامشورہ ہوتی ہے۔ ہم بلامشورہ کہتے ہیں پستول کو منیر نیازی کی ضرورت ہو تو ہو منیر نیازی کو اس کی ضرورت نہیں۔ سراج منیر نے مستنصر حسین تارڑ کے بارے میں کہا تھا "وہ دوران سفر کچھ نہیں دیکھتا سوائے اپنے چہرے کے" منیر نیازی کو بھی کسی بڑے شاعر کو دیکھنا ہو تو شیشہ ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ ادب میں ان کا حوالہ اتنا اہم ہے جیسے ایک زمانے میں بھارت میں مہاتما گاندھی کے حوالے سے اہم جگہوں کی نشاندہی ہو رہی تھی۔ ایک پرانی عمارت کے مالک نے کہا "اس عمارت کا بھی گاندھی جی سے تعلق ہے" انتظامیہ نے پوچھا "کیا وہ یہاں آیا کرتے تھے؟" بولا "نہیں یہ تعلق تھا کہ وہ یہاں نہیں آیا کرتے تھے۔" اردو ادب میں دو قسم کے شاعر ہیں ایک وہ جن کے بارے میں منیر نیازی کی رائے اچھی نہیں دوسرے وہ جن کے بارے میں منیر نیازی نے کوئی رائے نہیں دی۔ جاوید شاہین کہتے ہیں "منیر نیازی کے لکھے فلیپ اور دیباچوں کی قیمت ہوتی ہے" ظاہر ہے وہ قیمتی شاعر ہیں۔ ان کی تحریر بے قیمت کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ صرف اس کی تعریف کرتے ہیں جو پسند ہو۔ جیسے روس میں ایک کسان ووٹ ڈال کر آیا تو کے جی بی والے آ گئے۔ کسان نے پوچھا "کیا مسئلہ ہے؟" انہوں نے کہا "ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم نے ووٹ بیچا ہے' رشوت لی ہے" وہ بولا "یہ سچ نہیں میں نے اس امیدوار کو اس لئے ووٹ دیا ہے کہ وہ مجھے پسند ہے۔" کے جی بی والا بولا "ہمارے پاس مکمل ثبوت ہیں' امیدوار نے تمہیں پچاس

روبل دیئے ہیں" یہ سن کر کسان بولا "تم خود سوچو تمہیں جو بندہ پچاس روبل دے گا تم اسے پسند نہیں کرنے لگو گے۔" منیر نیازی صاحب ہمارے واقف کار ہیں کچھ کے نزدیک واقف کار وہ ہوتا ہے جس سے آپ تو ادھار مانگ سکیں مگر وہ آپ سے نہ مانگ سکے۔ انہوں نے زندگی شاعری کے لئے وقف کی اور شاعری زندگی کے لئے۔ جہاں تک ان کے پستول خریدنے کی بات ہے تو عرصہ قبل پاک ٹی ہاؤس میں ایک نوجوان منیر نیازی پر تنقید کر رہا تھا۔ ایک دانشور نے اس کے کان میں کچھ کہا وہ فوراً تعریف کرنے لگا۔ ہم نے دانشور سے پوچھا "آپ نے کیا کہا تھا؟" بولا "میں نے کہا تھا منیر نیازی نے پستول خرید لیا ہے" البتہ میں یہ سمجھ نہیں پایا کہ اگر انہوں نے پستول اپنی حفاظت کے لئے رکھا ہے تو پھر اسے سرہانے کے نیچے چھپا کر کیوں رکھتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ کوئی چرا کر نہ لے جائے۔ ہو سکتا ہے اب وہ مسلح شاعری بھی کرنے لگیں۔ اس صنف میں سب سے اہم نام سید یاسین قدرت کا ہے وہ برسوں پستول اور غزل اکٹھی نکالتے۔ کچھ پتہ نہ ہوتا پہلا فائر کس کا کریں گے۔ ہماری شاعری میں چھری' نیزہ' کمان' برچھی تو چلتی ہی تھی لیکن پستول چلتے نہ پڑھا تھا۔ منیر نیازی فرماتے ہیں "میں نے پستول کے بغیر جو وقت گزارا وہ ضائع کیا" خیر اب بھی موقع ہے وہ اپنا ماضی بہتر بنا سکتے ہیں جو یہ کہتا ہے ماضی بہتر نہیں بنایا جا سکتا وہ ہوتا ہے جس نے اپنی یادداشتیں لکھ لی ہوتی ہیں۔ ہمارے بیشتر شعراء کو پستول رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ بس تازہ غزل جیب میں رکھ لیتے ہیں۔ چاچا گام سے کسی نے پوچھا تھا "بڑا شاعر کون ہوتا ہے؟" بولے "جس کے ساتھ ہاکیوں والے زیادہ ہوں" اس حساب سے لگتا ہے اب قتیل شفائی کو منیر نیازی سے بڑا شاعر بننے کے لئے سرہانے کلاشنکوف رکھنا پڑے گی" شاید اسی لئے منیر نیازی صاحب نے احتیاطاً کہہ دیا ہے کہ میں توپ بھی چلا لیتا ہوں تاکہ قتیل شفائی یہ نہ کہہ سکے کہ انہوں نے کونسی توپ چلالائی ہے! سیاستدان تو اسلحہ اس لئے رکھتے ہیں کہ عوام کو خود سے بچا سکیں۔ منیر نیازی نے پستول شاید خود کو اپنے آپ سے بچانے کے لئے رکھا ہو۔ وہ شاعر ہیں اور شاعر مرنے سے کبھی نہیں گھبراتے'

وہ تو بستر مرگ پر کوئی اچھا چہرہ دیکھ لیں تو فوراً مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اچھے خاصے بندے کو احمد فراز بننے میں کونسی دیر لگتی ہے۔ ویسے بھی شاعروں کی جان کی حفاظت ایک پستول سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ان کی کوئی ایک "جان" ہو تو ایک پستول سے کام چلے۔ ممکن ہے منیر نیازی نے پستول اس لئے رکھا ہو کہ آج کل قبضہ گروپ متنازع اور پبلک پراپرٹی پر قابض ہونے میں دیر نہیں کرتے اور منیر نیازی پبلک پراپرٹی بھی ہیں اور متنازعہ بھی۔

ooo

• نظر نیازیاں

جب منیر نیازی صاحب نے کہا کہ مجھے کراچی میں کوئی شاعر نظر نہیں آتا تو ہمیں ڈاکٹر ہونے کے باوجود ان کی نظر کمزور ہونے پر خوشی ہوئی' لیکن اگلے ہی روز بیرون ملک سے آئے ان کے ایک فین نے ہمیں بتایا کہ ان کی نظر تو ماشاء اللہ اتنی تیز ہے کہ انہیں میری جیب میں پڑا ہزار کا نوٹ دور سے نظر آ گیا تو ہمیں تسلی ہوئی لیکن اب شہزاد احمد صاحب نے بتایا کہ منیر نیازی کو لاہور میں بھی کوئی شاعر نظر نہیں آتا۔ گویا اب پاس کی نظر بھی گئی۔ شہزاد احمد صاحب ادیبوں کے ساتھ سائنس پر اور سائنس دانوں کے ساتھ ادب پر بڑی اچھی گفتگو کرتے ہیں' اسی لئے انہوں نے منیر نیازی کا یہ سائنسی سقم نوٹ کیا۔ ویسے بھی نظر پر شہزاد احمد صاحب کی بڑی نظر ہے۔ انہیں تو زمانہ طالب علمی میں بھی نظر کی عینک یوں لگی جیسے نظر لگی ہو۔ صوفی تبسم صاحب ان کے استاد تھے' انہوں نے شہزاد احمد کو عینک میں ملبوس دیکھ کر کہا "شہزاد تم عینک کیساتھ نرے بجو لگتے ہو" انہوں نے کہا "سر اگر یہ عینک اتار دوں تو آپ مجھے بجو لگتے ہیں" اس کے بعد سے وہ جس سے ناراض ہوں اسے دیکھ کر سب سے پہلے عینک ہی اتارتے ہیں۔ ان کی اپنی نظر اتنی کمزور ہے کہ مخلوط محفلوں کے وہ حصے جو دور سے سب کو نظر آ رہے ہوتے ہیں وہ بھی انہیں قریب جا کر دیکھنے پڑتے ہیں۔ سو منیر نیازی کی نظری کمزوریوں سے سب سے پہلے آگاہ ہونے کا ان کا ہی استحقاق تھا۔ شہزاد احمد اور منیر نیازی میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ان کے کلام میں ہے۔ شہزاد احمد نے پہلے اپنی کلیات کا عنوان "عمر بھر کا عذاب" رکھا۔ مگر دوستوں نے کہا "گویا اب ہم بک اسٹال پر جا کر کہیں گے' ہمیں عمر بھر کا عذاب چاہیے۔" شادی اور شاعری کرنے کے لئے ہر کسی کی اپنی وجہ ہوتی ہے لیکن موجودہ ملکی حالات میں بندہ شاعری کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتا شاید اسی لئے منیر نیازی صاحب شاعری نہیں کر رہے۔ ایک ادبی

نجومی نے 1998ء کی جو پیش گوئیاں کیں' ان میں سے ایک یہ تھی کہ 1998ء میں منیر نیازی ایک تازہ غزل لکھیں گے۔ موصوف تو اپنا بولا ہوا جملہ ہر آنے والے کو تب تک سناتے رہتے ہیں جب تک جملے کا نیا ایڈیشن نہ آ جائے۔ شاعری شاعروں کو بلند مقام عطا نہیں کرتی شاعر اسے بلند مقام عطا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو موسیقی کو ہی بلند مقام حاصل ہے' اسی لئے موسیقی کی محفلیں کوٹھوں پر ہی سجتی ہیں۔ سیف الدین سیف صاحب سے کسی نے پوچھا "منٹو کتنا بڑا افسانہ نگار تھا؟" بولے "افسانہ نگار تو افسانہ نگار ہی ہوتا ہے چاہے جتنا بڑا بھی ہو جائے۔ جہاں افسانہ نگاری ختم ہوتی ہے وہاں سے شاعری شروع ہوتی ہے" یہ الگ بات ہے آج کل پتہ نہیں چلتا شاعر' شاعری شروع کر رہا ہے یا ختم۔ شہزاد احمد اور منیر نیازی دونوں ایک دوسرے سے بڑے شاعر ہیں۔ شہزاد احمد کو زبان پر کتنا عبور ہے یہ جاننے کے لئے ان کی سائنسی کتابیں پڑھیں اور سائنس کا کتنا وسیع علم ہے اس کا اندازہ ان کی شاعری پڑھ کر ہوتا ہے۔ منیر نیازی کے ہاں چڑیلوں' روحوں اور ایسی دوسری چیزوں کا جتنا ذکر ملتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے لاہور میں وہ انسانوں سے کتنا کم ملتے جلتے ہیں۔ وہ ہر وقت گھر میں موجود رہتے ہیں۔ ان کے مشورے ایسے ہوتے ہیں کہ ٹی وی نے انہیں عرصہ تک اپنے ایڈوائزری بورڈ کا ممبر رکھا۔ انہیں کوئی مشورہ نہ دینے کی تنخواہ دی جاتی۔ انہیں ملنے والا ہر دوسرا شخص شاعر ہوتا ہے' اس لئے ہمیں اتنی حیرانی ان کی نظر کمزور ہونے پر نہیں ہوئی جتنی اس پر ہوئی کہ انہیں شاعر نظر نہیں آتے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں اس سائز کے شاعر آنے لگے ہیں کہ ذرا بندے کی نظر کمزور ہو تو شاعر نظر آنے بند۔ اس سے قبل نظر کمزور ہنے کا ہمیں یہی فائدہ معلوم تھا کہ اپنی ذاتی بیوی بھی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔ جیسے ابھی تک سائنس بھی یہ پتہ نہیں چلا سکی کہ بیوی کو نئی کار چلانے کی اجازت دینے اور نہ دینے میں سے زیادہ خطرناک بات کونسی ہے؟ ایسے ہی شاعر نظر آنے اور نظر نہ آنے میں زیادہ خطرناک کونسی بات ہے۔ شہزاد احمد بھی

نہیں بتا پائے۔ سنا ہے وہ بھی منیر نیازی کو نظر نہیں آتے حالانکہ وہ لاہور میں بہت نظر آتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے ایک صاحب کہہ رہے تھے "لاہور میں شہزاد احمد کو کوئی نہیں جانتا۔ میں نے لاہور فون کیا رانگ نمبر مل گیا۔ میں نے پوچھا شہزاد احمد صاحب ہیں تو جواب ملا وہ کون ہیں؟" منیر نیازی شہزاد احمد کو وہیں دیکھنا چاہتے ہیں جہاں شہزاد احمدانہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ شاعر منیر نیازی کی کم نظری کے مستحق ہیں یا نہیں۔ جیک بنی نے ایوارڈ وصول کرتے ہوئے کہا تھا "مانا کہ میں اس ایوارڈ کا مستحق نہیں لیکن مجھے یہ ایوارڈ ملا ایسے ہی جیسے مجھے گنٹھیا کا درد ملا جس کا میں مستحق نہیں تھا" ایوارڈ کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی لوگ پرائیڈ آف پرفارمنس لینے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ شاعری بھی، لیکن اس مرتبہ پرائیڈ آف پرفارمنس ملنے پر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے سوائے ان حضرات کے جنہیں یہ ایوارڈ ملے ہیں۔

منیر نیازی صاحب کو نظر ہی کم نہیں آتا اب تو وہ کم ہی نظر آتے ہیں۔ نظر نہ آنے کی ہر کسی کی اپنی اپنی وجہ ہوتی ہے جیسے باربرا بش اور صدر بش ایک پارٹی میں پی رہے تھے باربرا بش نے دوسرا پیگ چڑھایا اور بش پر برس پڑیں کہ پینا بند کرو میں نے تمہیں کہا تھا کہ کم پینا تم ابھی سے مجھے دھندلے دھندلے نظر آ رہے ہو۔ نظر نے شاعری کو بڑا سہارا دیا ہے۔ ہمارے ایک دوست مشاعرے سے لوٹے اس مشاعرے میں نوشی گیلانی، یاسمین حمید اور بشریٰ اعجاز جیسی شاعرات نے شرکت کی۔ وہ دوست بولے میں مشاعرے سے ذرا لطف اندوز نہ ہو سکا کیونکہ نظر کا چشمہ تو گھر ہی بھول گیا تھا لیکن منیر نیازی صاحب کا یہ مسئلہ بھی نہیں وہ تو شاعر دیکھنے کے لئے بھی نظر کی عینک نہیں شیشہ استعمال کرتے ہیں۔

• با۔رش برسی

برسی کا لفظ ہمیں بارش کے ساتھ ہی اچھا لگتا ہے' ویسے بھی ادب میں برسیوں کی گنجائش کہاں۔ ہم تو ابھی تک غالب اور فیض کی بھی سالگرہ ہی مناتے ہیں۔ البتہ یونس ادیب صاحب کو یقین ہے کہ ساغر صدیقی مر چکے ہیں۔ اس لئے وہ ان کی برسی مناتے ہیں لیکن اب پتہ چلا جیسے سالگرہ منوانے کے لئے زندہ ہونا ضروری نہیں ایسے ہی برسی منوانے کے لئے مرنا ضروری نہیں بس منوانا ضروری ہے۔ ہوا یہ کہ شاعر نعمت سانگلوی صاحب نے گزشتہ دنوں اپنی تیسری برسی بڑے شعر و غوغے کے ساتھ منائی۔ اگر وہ کوئی اداکار ہوتے تو ہم پوچھتے "آپ کونسی سالگرہ کی تیسری برسی منا رہے ہیں؟" لیکن وہ ٹھہرے شاعر۔ یہاں مراد یہ نہیں کہ وہ ٹھہرے ہوئے شاعر ہیں وہ تو بڑے متحرک ہیں۔ برسی منانا بھی تو ان کی ایک حرکت ہے۔ ایک میاں بیوی اچھے موڈ میں گپیں لگا رہے تھے' خاوند بولا "بھلیئے لوکے اگر تو مر گئی تو میں پاگل ہو جاؤں گا" وہ بولی "تم پاگل واگل نہیں ہو گے بلکہ دوسری شادی کر لو گے" خاوند بولا "جب بندہ پاگل ہو جائے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔" سو جو بندہ شاعری کر سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ہمارے ہاں بیشتر لوگ ایسے ہیں جن کی وفات کی خبر پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ زندہ بھی تھے۔ نعمت سانگلوی کی خبر پڑھ کر ہم نے اگلے دن پھر اخبار لیا کہ ممکن ہے اخبار غلطی سے سالگرہ کو برسی لکھ گئے ہوں کیونکہ آج کل شعراء کو تو سالگرہیں منانے بلکہ سال گرہیں لگانے کا شوق ہے۔ اس سے قبل احمد بشیر صاحب کی موت کی خبر باتصویر شائع ہوئی لیکن اگلے دن اخبار نے یہ لکھ کر تردید کر دی کہ ادارہ معذرت خواہ ہے احمد بشیر صاحب زندہ ہیں لیکن نعمت سانگلوی صاحب کی برسی کی خبر کی تردید تو کیا خشک دید بھی نہ ہوئی۔ یہ پتہ چلا کہ انہوں نے اپنی با۔رش برسی پر کفن پہن کر مشاعرے

کی صدارت کی۔ اس سے ہمیں نعمت سانگلوی صاحب کے مرنے کی وجہ کا پتہ چل گیا۔ ہمارے ایک شاعر تانگے کے "بم" سے بلاسٹ کرنے کی بجائے خاموش ہو گئے' ڈاکٹروں نے بڑی کوشش کی مگر اپنی شاعری کی طرح پڑے رہے۔ ایک جہاندیدہ شخص نے آ کر ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر نے پوچھا "آپ نے انہیں کیا کہا جو یہ فوراً ہوش میں آ گئے؟" تو وہ شخص بولا "میں نے تو یہی کہا تھا کہ ساتھ والی گلی میں مشاعرہ ہو رہا ہے آپ کی صدارت رکھی ہے" جیسے کلنٹن نے امریکہ کا صدر بننا بہت مشکل کر دیا کیونکہ اب ہر امریکی اس کے لئے کوالیفائی کرتا ہے ایسے ہی پاکستان میں صدر مشاعرہ اور صدر پاکستان بننا آسان نہیں رہا۔ صدر مشاعرہ کے لئے تو یہ اضافی کوالٹی بھی چاہیے کہ وہ خراٹے نہ لیتا ہو کیونکہ شعر سن کر اگر صدر مشاعرہ کو نیند نہ آئے تو سمجھا جاتا ہے وہ شعر توجہ سے نہیں سن رہے۔ اگر صدر مشاعرہ نعمت سانگلوی جیسا شعر بکفن ہو تو لوگ احتراماً جوتے اتار کر شعر سنتے ہیں۔ جنہوں نے پہلے نہ اتارے ہوں وہ شعر سن کر اتار لیتے ہیں جوتوں اور ووٹوں میں یہ فرق ہے کہ ووٹ جتنے پڑیں اتنے ہی گنے جاتے ہیں۔ ہم نے تو لوگوں کو عطا اللہ عیسیٰ خیلوی کے گیت جوتے اتار کر سنتے دیکھا حالانکہ گیت اچھے تھے۔

کسی سیانے نے کہا تھا "کتنا برا زمانہ آ گیا ہے' بچے والدین کی نافرمانی کرتے ہیں اور ہر کوئی کتاب لکھ رہا ہے" لیکن اب تو ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ برسی منانے کے لئے مردے نہیں ملتے زندوں کی منانا پڑتی ہیں۔ اگرچہ ملکی حالات تو ایسے ہیں کہ ہمیں یہ جاننے کے لئے کہ ہم خود زندہ ہیں یا نہیں دن میں کئی بار اپنی نبض دیکھنا پڑتی ہے۔ پہلے زمانے میں شعراء ایسے شعر لکھتے جن میں ان کی تاریخ وفات ہوتی' اب بھی شعر پڑھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ شاعر کتنا زندہ رہے گا۔ جہاں تک شاعروں کے مرنے کی بات ہے تو یہ کونسا مشکل ہے۔ انہیں جہاں کوئی اچھا چہرہ نظر آئے وہ وہیں مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے نعمت سانگلوی صاحب کی برسی پر وہ لوگ اعتراض کر رہے ہیں جنہوں نے ان کی شاعری نہیں پڑھی۔ سنا ہے وہ اپنی برسی کی اخباروں

میں چھپی خبریں پڑھ پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ایسی ہی ایک خاتون نے اپنے وکیل کو دفتر فون کیا اس کے سیکرٹری نے فون اٹھایا تو محترمہ نے پوچھا "مسٹر اسمتھ ہیں؟" سیکرٹری نے کہا "وہ تو کل وفات پا گئے ہیں۔" خاتون نے فون بند کر دیا۔ پانچ منٹ بعد اسی خاتون نے پھر فون کیا اور یہی پوچھا' سیکرٹری نے آواز پہچان کر کہا۔ "محترمہ آپ کو بتایا ہے وہ انتقال کر گئے ہیں۔" پانچ منٹ بعد پھر خاتون نے فون کرکے یہی پوچھا تو سیکرٹری نے آواز پہچان کر کہا "آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی میں نے بتایا ہے کہ وہ انتقال کر چکے ہیں؟" خاتون بولی "مجھے پتہ ہے پر میں یہ بار بار سننا چاہتی ہوں۔"

نعمت سانگلوی صاحب اتنے مشہور شاعر ہیں کہ ان کی گلی کا بچہ بچہ انہیں جانتا ہے۔ محلے والے تو انہیں فرشتہ کہتے ہیں۔ ہمارا فیصلہ بھی یہی ہے کہ وہ انسان نہیں ہیں۔"

کچھ لوگ اتنے سنجیدہ ہوتے ہیں کہ آپ ان کے بارے میں صرف لطیفے ہی سنا سکتے ہیں۔ نعمت سانگلوی صاحب ان سے کم سنجیدہ ہیں جو ان سے زیادہ سنجیدہ ہیں ویسے بھی کائنات میں ہائیڈروجن اور حماقت ہی دو ایسے عنصر ہیں جو سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ نعمت صاحب' افتخار عارف کی طرح دوسروں کو اتنی عزت دے دیتے ہیں کہ خود ان کے اپنے لئے باقی نہیں بچتی۔ نعمت سانگلوی صاحب وہ کچھ کر سکتے ہیں جو دنیا کا کوئی اور شاعر نہیں کر سکتا' وہ ہے اپنی برسی کے مشاعرے کی صدارت کرنا' جاپانی رائٹرز جب دلبرداشتہ ہوتے ہیں تو وہ خودکشی کرنے کا سوچتے ہیں' ہمارے ہاں رائٹر ان حالات میں آپ بیتی لکھنے کا سوچتے ہیں۔ نعمت سانگلوی صاحب نے اگر آپ بیتی لکھی تو یہ کسی بھی مردے کی پہلی آپ بیتی ہو گی بلکہ وہ دنیا کے واحد شخص ہیں جو یہ دھمکی دے سکتے ہیں کہ اگر تم میری برسی پر نہ آئے تو میں بھی تمہاری برسی پر نہیں آوں گا۔

ہم مشاعرے سننے تب بھی جاتے تھے جب ابھی ہم نے مجتبیٰ حسین کا مضمون "مجرے اور مشاعرے" نہیں پڑھا تھا۔ جیسے اہلیت اور سچائی' خوبصورتی اور کنٹیکٹ لینز کی طرح دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے اسی طرح آج کل شعر کی خوبصورتی بھی سننے والے کے کان میں ہوتی ہے۔ ہم مشاعروں سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں' اس لئے شعروں کو

سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کسی سیانے کا قول ہے' کوئی بھی بندہ کسی شعر پر سر دھننے کے لئے تیار ہوتا ہے بشرطیکہ وہ شعر اسے مکمل طور پر سمجھ نہ آئے۔ بینجمن فرینکلن نے کہا تھا "اگر چاہتے ہو مرنے کے بعد یاد رکھے جاؤ تو ایسا لکھو کہ پڑھا جائے یا ایسا کرو جس پر لکھا جائے۔" لیکن ہمارے ہاں تو رائٹر اپنی تحریروں کے دم سے نہیں آکسیجن کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں جو چاہیں کہ مرنے کے بعد لوگ انہیں ہمیشہ یاد رکھیں وہ مرنے سے پہلے لوگوں سے قرض لے لیتے ہیں' ہو سکتا ہے کہ نعمت سانگلوی صاحب نے اپنی برسی منانا اس لئے شروع کیا ہو کہ مرنے کے بعد کیا معلوم کوئی منائے یا نہ منائے' یہاں تو زندوں کو اعتبار نہیں امجد اسلام امجد پرانے لطیفے تخلیق کرنے میں کوئی ہم "سر" نہیں رکھتے۔ وہ بھی لطیفہ سنانے سے پہلے ہنسا لیتے ہیں۔ لوگ بلاوجہ کچھ بھی نہیں کرتے ہم سے ایک تقریب میں ایک صحافی نے پوچھا "آپ کو امجد اسلام امجد سے کوئی کام ہے؟" عرض کیا "آپ ایسا کیوں پوچھ رہے ہیں؟" بولے "یونہی آپ ان کے لطیفوں پر بڑا ہنس رہے تھے" ممکن ہے نعمت سانگلوی صاحب چاہتے ہوں کہ ان پر تحقیق ہو کیونکہ ہمارے ہاں آرٹس کے اداروں میں تحقیق اور میڈیکل کے اداروں میں ڈائسیکشن مردوں پر ہی کی جاتی ہے۔ کسی ادبی شخصیت پر تحقیق کیا ہوتی ہے بس یہ یقین کرنا ہوتا ہے کہ وہ واقعی مر گیا ہے۔

• ادب فی کلوگرام

ہمارے ہاں ادبی کتابیں بہت کم پڑھی جاتی ہیں' اس لئے ہمارے ہاں ادیبوں کو باعزت مقام حاصل ہے۔ ہمارے نقاد بھی کسی مصنف کی کتاب تب تک غور سے نہیں پڑھتے جب تک اس مصنف سے ان کے تعلقات خراب نہ ہو جائیں کیونکہ کسی کتاب کی تعریف کرنا آسان ہے مگر اس پر تنقید کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس میں مشکل یہ ہوتی ہے کہ پہلے وہ کتاب پڑھنا پڑتی ہے لیکن کون سا مشکل کام ہے جو ڈاکٹر انور سجاد نہیں کر سکتے البتہ آسان بات اور کام کرنے میں انہیں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے انیس ناگی کے ناولوں کے معائنہ کے بعد یہ تشخیص کی ہے کہ انیس ناگی اس صدی کا سب سے برا ناول نگار ہے۔ یہ بات انیس ناگی اپنے ہر انٹرویو میں یوں بتاتے ہیں جیسے حسن رضوی اپنے پرائڈ آف پرفارمنس ہونے کا بتاتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں ڈاکٹر انور سجاد کا انیس ناگی کو صدی کا سب سے برا ناول نگار قرار دینا ڈاکٹر صاحب کی انکساری ہے ورنہ انور سجاد خود ناول نگار ہیں۔ بقول میرزا ادیب انور سجاد اس دور کی عجیب و غریب چیز ہیں ان کے بارے میں یہ سوال نہیں پوچھا جا سکتا کہ وہ کیا ہیں بلکہ یہ پوچھا جاتا ہے کہ وہ کیا نہیں ہیں۔

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ سب اچھے ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ سب سے ملے نہیں کچھ ایسا ہی معاملہ اچھے ناول کا ہے۔ فیض احمد فیض کے پاس ایک نوجوان اپنی تین نظمیں لے کر آیا اور کہا "مجھے ریڈیو سے ایک نظم پڑھنا ہے ان تین نظموں میں سے جو سب سے اچھی ہے وہ بتا دیں۔" فیض صاحب نے دو نظمیں سنیں اور بولے "تیسری پڑھ دینا" لیکن انور سجاد نے تو لگتا ہے انیس ناگی کو سارا پڑھا ہے' اسی لئے آج کل گفتگو میں وہ بیس ناگی لگتے ہیں۔ ویسے بھی اچھی تحریروں سے انجوائے کرنے کے لئے ضروری

ہے کہ پہلے انیس ناگی کو پڑھا ہو۔ انور سجاد بڑے پڑھے لکھے ہیں۔ انور سجاد کو برا بھلا بھی کہہ دو تو وہ برا نہیں مناتے۔ انہیں تو آپ بڑا ناول نگار کہہ دیں تو بھی آگے سے کچھ نہ کہیں گے۔ اپنے علاوہ ہر کسی کو سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ نواز شریف کو دیکھ کر لگتا ہے کہ پاکستان کو کوئی مسئلہ درپیش نہیں ان کے اردگرد کے لوگوں کو دیکھ کر البتہ مسئلے نظر آنے لگتے ہیں ایسے ہی انور سجاد صاحب کو مل کر لگتا ہے ادب کو کوئی مسئلہ درپیش نہیں لیکن ان کی تحریریں پڑھ کر لگا ہے کہ ہے۔

محبت خواب اور ناول میں کچھ ناممکن نہیں ہوتا۔ ایک زمانے میں وزنی ناول لکھنے کے لئے خاتون ہونا ضروری تھا۔ اب بس ناول نگار ہونا ہی کافی ہے۔ ہمارے ہاں کئی کئی کلو کے ناول نگار ہیں بقول انیس ناگی' انتظار حسین ڈیڑھ کلو' عبداللہ حسین دو کلو اور مستنصر حسین تارڑ ڈھائی کلو کے ناول نگار ہیں۔ ویسے اس حساب سے تو انیس ناگی ہلکے ناول نگار ہیں۔ بڑے ناول لکھنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ نقاد اسے پورا نہیں پڑھ پاتے اور انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ ناول کتنا برا ہے۔ ہمیں خود پورا ناول پڑھنے کے بعد پتہ چلتا کہ یہ ناول پڑھنے کے قابل نہیں۔ ہم نے اس کا حل یہ نکالا کہ کتاب لا کر ڈرائنگ روم میں رکھ دیتے' اگر کوئی اس کتاب کو مانگ کر نہ لے جاتا تو سمجھتے یہ پڑھنے کے قابل ہی نہ تھی جسے کوئی مانگ کر لے جاتا اسے دلچسپ اور پڑھنے کے قابل سمجھتے' اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگتے اگر وہ واپس دے جاتا تو ہمیں یقین ہو جاتا کہ کتاب بور ہی ہو گی ورنہ واپس کیوں کرتا۔ جیسے بڑے بڑے سیاستدانوں کو گھنٹہ بھر سن لو تو وہ بڑے چھوٹے لگنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی بڑے بڑے ناول پڑھنے کے بعد بڑے نہیں لگتے۔ ویسے بھی لیڈر اور ناول کا وزن اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا دوسرے اٹھا سکیں۔ انیس ناگی 60 سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ اپنے سرکاری دفتر سے رسالہ دانشور نکالتے ہیں ایسے ہی جیسے وہاں سے دانشور نکالتے ہیں اس کی لکھائی' چھپائی اور پڑھائی کا کام خود کرتے ہیں۔ ان کا تازہ ناول "کیمپ" مسئلہ افغانستان پر ہے۔ مسئلہ افغانستان کی طرح اس کا بھی کوئی سرا نہیں ملتا۔ جیسے حسین بخش گلو کو بندہ 30 منٹ سن لے تو اسے

لگتا ہے تین گھنٹوں سے سن رہا ہے۔ ایسے ہی انیس ناگی کا 130 صفحے کا ناول پڑھنے میں 1300 صفحے کا لگتا ہے۔ اس کی قیمت بھی بہت کم ہے' کم قیمت ہونے کا مصنف کو فائدہ ہوتا ہے کہ ناول مفت دوسروں کو دیتے ہوئے زیادہ نقصان نہیں ہوتا۔ ویسے بھی دکھ اور ناول بانٹنے سے کم ہوتے ہیں البتہ ناول کے صفحات کم ہونے کا فائدہ پڑھنے والوں کو بھی ہوتا ہے۔ انور سجاد نے اسی کا فائدہ اٹھا کر انیس ناگی کے ناول پڑھ لئے اور حساب کتاب سے انہیں صدی کا بدترین ناول نگار قرار دے دیا۔ ہماری تو حساب سے جان جاتی ہے۔ ہم سے ایک بار ٹیچر نے پوچھا۔ "اگر آپ کے پاس 4896 ہوں آپ اس میں 6940 جمع کرکے 17 پر تقسیم کریں اس کا مربع لیں اور پھر 9640 تفریق کریں تو جواب کیا ہو گا؟" عرض کیا۔ "سر درد" انور سجاد نے بھی ایسا ہی جواب نکالا ہے۔

برا لکھنا آج کل اتنا مقبول ہو رہا ہے کہ اس پر ایڈورڈ بیلوار لٹن ایوارڈ شروع ہو چکا ہے جو اتنا پاپولر ہو رہا ہے کہ پینگوئن جیسے ادارے نے اپنی کئی کتابیں اس میں شرکت کے لئے بھیجی ہیں۔ اگرچہ ہمارے ہاں الگ سے ایسا انعام شروع کرنے کی ضرورت نہیں پرائیڈ آف پرفارمنس ہے تو سہی۔ ہمیں خدشہ ہے کہ انیس ناگی کو صدی کا سب سے برا ناول نگار ہوتے ہوئے بھی ایڈورڈ بیلوار لٹن ایوارڈ نہ مل سکے گا کیونکہ وہ لوگ بڑے متعصب ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگا لیں نیویارک میں 'کتا' بچے پر جھپٹا ایک راہ گیر نے اس کتے کی گردن ایسی دبوچی کہ تب چھوڑا جب وہ مر گیا اور یوں بچے کو بچا لیا۔ نیویارک ٹائمز کا رپورٹر یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے تصویر کھینچتے ہوئے کہا۔ "صبح نیویارک ٹائمز کے پہلے صفحے پر یہ تصویر اس خبر کے ساتھ ہو گی کہ ایک نیویارکر نے بچے کو نئی زندگی دی" راہ گیر بولا "سرخی اچھی ہے' پر میں نیویارکر نہیں ہوں" رپورٹر بولا "تو سرخی یہ بنے گی ایک امریکی نے خطرے میں کود کر بچے کی جان بچا لی" راہ گیر بولا "ہے تو بہت اعلیٰ لیکن میں امریکن نہیں ہوں؟" وہ رپورٹر بولا "پھر بتاؤ تم کون ہو؟" وہ بولا "میں پاکستانی ہوں" اگلے روز نیویارک ٹائمز کی خبر تھی "ایک

جنونی نے پالتو کتے کی گردن مروڑ دی" سو اب دوسروں کے بجائے ہمیں خود اپنے لکھنے والوں کو ایوارڈ دینے چاہئیں۔ آج کل حالات ایسے ہیں کہ برا لکھنا بھی آسان نہیں رہا۔ ان حالات میں انور سجاد اور انیس ناگی غنیمت ہیں اور پرائیڈ آف پرفارمنس کے حق دار ہیں۔

○○○

• کھر دماغیاں

جب سے ہم نے مصطفیٰ کھر صاحب کا یہ بیان پڑھا ہے کہ اب حالات ایسے آ گئے ہیں کہ مجھے دوبارہ ایکٹو ہونا پڑے گا' تب سے ہی ہم نے شادی کی خبریں زیادہ توجہ سے پڑھنا شروع کر دی تھیں' اگرچہ ہمیں "ایکٹو" ہونے کی وجہ کا علم نہ تھا' یہ تو اعظم ہوتی صاحب کی کھر دماغ مبینہ بیوی زیبا خان کا بیان پڑھ کر پتہ چلا جس میں اس نے کہا ہے "اعظم ہوتی تو پیرپگاڑو' الزبتھ ٹیلر اور مصطفیٰ کھر کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔" کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زیبا کی نازیبا باتیں اعظم ہوتی کے خلاف سازش ہیں' ہمیں تو یہ پیرپگاڑو' الزبتھ ٹیلر اور مصطفیٰ کھر کے خلاف لگتی ہیں' وہ مقام جو انہوں نے اپنی "زنتھک کوششوں سے حاصل کیا' زیبا خان وہ ہوتی کو دے کر اسے لاہوتی کرنا چاہتی ہیں۔

شادی وہ کام ہے جسے عقلمند اور بے وقوف دونوں کریں تو ایک سال کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ دونوں میں سے عقلمند کون تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں یہ کام سب سے زیادہ اداکار اور سیاست دان کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم سمجھتے ہیں 63 فیصد اعداد و شمار غلط ہوتے ہیں' اعداد و شمار کے حساب سے تو دنیا میں مرغوں اور مردوں کی تعداد برابر ہے۔ اداکار اور سیاستدان ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں' جب چند گھنٹوں کے لئے فارغ ہوں' کوئی اور کام نہ ہو تو شادی کر لیتے ہیں۔ سیاست میں آنے کی ہر کسی کی اپنی وجہ ہوتی ہے۔ ایک پاکستانی سیاست دان سے ہم نے پوچھا "آپ سیاست میں کیوں آئے" بولے "اپنے ہاتھوں کی وجہ سے "عرض کیا "مطلب؟" بولے "ایک دن میں نے دیکھا میرے دونوں ہاتھ خالی ہیں" جہاں تک سیاستدانوں کی شادیوں کی بات ہے تو وہ ہر اس کام کو کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں جس میں ایک ووٹ کا اضافہ ہو سکے۔ تمام بندے غلطیاں کرتے ہیں' خاوندوں کو بس ذرا ان کا جلد پتہ چل جاتا ہے۔ اچھی بیوی وہ ہوتی ہے ' جو جب غلطی کرتی ہے تو خاوند کو معاف کر دیتی ہے۔ خاوند

چاہے اداکار ہو یا سیاستدان وہ پہلے خاوند ہوتا ہے' بعد میں کچھ اور۔ ہم نے ایک خاوند سے پوچھا "آپ شادی سے پہلے کیا کرتے تھے؟" بولا "جو چاہتا تھا" ہم سمجھتے ہیں تمام مرد آزاد اور بااختیار پیدا ہوتے ہیں مگر ان میں سے کچھ شادی کر لیتے ہیں۔ جوانی میں شادی ہو تو سارا محلہ خوش ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں ہو تو صرف محلہ ہی خوش ہوتا ہے ایک بار سٹیج کے ایک کمپیئر نے اعلان کیا "آج کار کا خصوصی انعام اس شخص کے لیے ہے جو کم سے کم لفظوں میں دنیا کا طویل ترین جملہ بولے گا' ہے کوئی اس چیلنج کو قبول کرنے والا؟" ایک نوجوان بولا "مجھے قبول ہے!" اور کمپیئر نے کہا "حاضرین اس نوجوان نے آج کا مقابلہ جیت لیا" اعظم ہوتی کو تو کوئی مولوی السلام علیکم کہے تو تین بار "قبول ہے' قبول ہے' قبول ہے" کہتے ہیں۔ سیاستدانوں کی نئی شادیوں کا عوام کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کئی دن سیاستدان عوام کی طرف رجوع نہیں کرتے' نتیجہ ویسا ہی ہے جیسا امریکی صحافی نے کہا تھا کہ اگر امریکہ توجہ نہ دے تو دنیا میں امن ہو سکتا ہے۔

اعظم ہوتی صاحب کے بارے میں ہم اتنا جانتے ہیں کہ جب دوسرے محکموں کے وزیر ہوتے تھے تو مواصلات کا وزیر ہوتی تھا۔ ان کی شادی کی اطلاع اتنی دیر بعد ملی لگتا ہے یہ بذریعہ ڈاک ہوئی ہے۔ ہوتی صاحب جس خاتون کو ملیں' اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو سمجھ نہ آئے' اس سے شادی کر لیتے ہیں۔ دروغ برگردن راوی انہوں نے بتایا کہ اپنی تیس سالہ خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے بہت کچھ کیا۔ پوچھا "مثلاً؟" بولے "پانچ شادیاں کیں" اس کے باوجود بھی وہ پیر پگاڑو' الزبتھ ٹیلر اور کھر کے مقابلے میں نہیں آ سکتے' اگر اعظم ہوتی نے شادی میں ایم اے کیا ہے تو یہ حضرات پی ایچ ڈی ہیں۔ پیر صاحب آف پگاڑا شریف تو اسی کوالیفکیشن کی بنا پر پیر صاحب آف لاڑا شریف ہیں۔ انہوں نے دوسری شادی تب کی جب پہلی بھی چوتھی لگنے لگی۔ ان کا اعظم ہوتی سے کیا مقابلہ' وہ زن مرید نہیں زن پیر ہیں۔

جہاں تک الزبتھ ٹیلر کی بات ہے وہ ایک اداکارہ ہے۔ ہماری اداکارائیں تو نکاح ناموں پر دستخط کرنے کے لئے ہی لکھنا سیکھتی ہیں۔ الزبتھ تو نکاح نامے پر یوں سائن کرتی ہے لگتا ہے فلم سائن کر رہی ہو۔ اس کی آٹھویں شادی پر ہمارے محلے کے بشیرا ٹیلر نے بہت اعتراضات کئے تھے۔ اسے غصہ یہ تھا کہ اگر الزبتھ نے شادی کرنا ہی تھی تو کسی ٹیلر سے کرتی' برادری سے باہر کرکے اس نے دکھ دیا ہے۔ یہی نہیں بشیرا ٹیلر صاحب نے کہا کہ الزبتھ ٹیلر صاحبہ وعدہ کریں کہ اب جب بھی شادی کریں گی' کسی ٹیلر سے کریں گی۔ الزبتھ نے تو طلاقیں زیادہ لیں' شادیاں کم کیں۔ اس کے خاوندوں کے نام کے ساتھ وہاں کے ذرائع ابلاغ سابق خاوند الزبتھ یوں لکھتے ہیں جیسے ہمارے اخبارات بے نظیر بھٹو کے ساتھ سابق وزیراعظم لکھتے ہیں۔ آٹھویں خاوند لاری فوٹینسکی کو الزبتھ نے چھوڑا تو کہا "اگر مجھے پتہ ہوتا تم اتنے احمق ہو تو تم سے شادی نہ کرتی" تو لاری بولا "تمہیں اس وقت پتہ چل جانا چاہیے تھا کہ میں کتنا احمق ہوں' جس دن میں نے تمہیں شادی کے لئے پروپوز کیا تھا" ہوتی اور ٹیلر کا مقابلہ بھی نہیں بنتا کیونکہ الزبتھ بیوی ہوتی ہے اور یہ خاوند ہوتی ہے۔

جہاں تک مصطفیٰ کھر کی بات ہے تو وہ مرزا جٹ کی نسل سے ہے' اس نے جس خاتون کو بھی دیکھا اسے صاحبہ نہیں صاحباں ہی سمجھا۔ کسی خاتون کے ساتھ کھڑے کھر کو پہنچانا مشکل ہوتا ہے۔ البتہ ہم نے آسان نشانی یہ رکھی ہے کہ دونوں میں سے جس نے چادر اوڑھ رکھی ہو وہ کھر صاحب ہوں گے۔ اگر وہ کہیں کہ میں کئی سالوں سے پریشان ہوں تو لوگ سالوں سے مراد مدت نہیں رشتہ لیتے ہیں۔ وہ ساری زندگی دو نمبر رہے۔ بھٹو دور میں پی پی پی کے دو نمبر لیڈر' این پی پی میں شامل ہوئے تو وہاں بھی دو نمبر لیڈر ہی رہے یہاں تک کہ اپنی بیویوں کے خاوند بھی نمبر 2 ہی رہے۔ قوم کا اس قدر غم کہ 1996ء میں انہیں پتہ چلا کہ پاکستان میں 48 لاکھ لڑکیاں شادی کے انتظار میں بیٹھی ہیں تو انہیں اس وقت تک نیند نہ آئی جب تک انہوں نے اس تعداد

میں ایک کی کمی نہ کر دی۔ اعظم ہوتی اگر سرحد کے شیر ہیں تو کھر پنجاب کے شیر ہیں، یہ دونوں شیر آدم خور نہیں حوا خور ہیں۔ کھر صاحب بھی ایکٹو ہونے کی باتیں کر رہے ہیں سو دیکھتے ہیں کون کسے پیچھے چھوڑتا ہے۔ فی الحال تو ہمیں اعظم ہوتی کے پیچھے مصطفیٰ کھر، پیر پگاڑو یا الزبتھ ٹیلر نہیں، زیبا خان ہی نظر آتی ہیں۔

○○○

• اداکار اعلیٰ اور اداکار اعظم

ہم خبرنامہ دیکھتے ہیں اس لئے ہمیں اندازہ ہے ایکٹنگ کتنا مشکل کام ہے سو جب ہمیں پتہ چلا کہ بہترین ایکٹر اور ایکٹرس کے ایوارڈز پر بہت سے امریکیوں نے احتجاج کیا ہے کیونکہ یہ ایوارڈ کلنٹن اور ہلیری کلنٹن کو نہیں ملے حالانکہ ان کی ایکٹنگ انعام زدگان سے بہت اچھی تھی۔ ہم نے فوراً ان کے حق میں لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم جب بھی کلنٹن پر لکھنے کا ارادہ کرتے ہیں دوست کہتے ہیں فحش موضوعات پر مت لکھا کرو۔ ہم سمجھتے ہیں کلنٹن اور ہلیری دنیا میں مرکزی رول کر رہے ہیں بلکہ دنیا کو رول کر رہے ہیں' اس لئے انہیں بیسٹ ایکٹر اور ایکٹرس کا ایوارڈ ملنے پر ہمیں اعتراض نہیں۔ اعتراض ہمیں اپنے نیشنل فلم ایوارڈ کے لئے ہونے والی نامزدگیوں پر ہے جس میں ریما' میرا اور صائمہ کے نام تو ہیں مگر عابدہ حسین' بے نظیر اور تہمینہ دولتانہ نہیں ہیں۔ ایکٹروں میں ہمیں آصف زرداری اور نواز شریف کے نام بھی نظر نہیں آئے نہ مہمان اداکاروں میں نوابزادہ نصراللہ خان کی نامزدگی ہوئی ہے کامیڈین میں اسماعیل تارا تو ہیں لیکن پیر پگاڑو کا نام نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے ہم بھی امریکہ سے متاثر ہو کر اپنے اصلی فن کاروں کی قدر کرنا چھوڑ رہے ہیں۔

امریکی کلنٹن کو ریگن سے بہترین اداکار تو مانتے ہیں' کچھ کی رائے میں کلنٹن کو مجبوراً اداکاری کرنا پڑی۔ ایسے ہی جیسے ایک امریکی نے اپنے دوست کے کان میں بالی دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا اور پوچھا "تم تو یہ پسند نہیں کرتے تھے اب کانوں میں بالی پہننے کا فیشن کیسے اپنا لیا؟" وہ بولا "یہ بات نہیں ہے" تو امریکی نے پوچھا "تو پھر ایک بالی کب سے پہننے لگے" بولا "اس دن سے جب میری بیوی اچانک گھر آ گئی اور اس نے میرے بستر پر پڑی ایک بالی دیکھ لی" ویسے تو دنیا وہ سٹیج ہے جس پر خاوند معاون اداکار

کا کردار کرتا ہے شاید اسی لئے کچھ امریکی بیسٹ ایکٹر کا ایوارڈ بھی ہلیری کو دینا چاہتے ہیں جس نے دن رات ایک کرکے خاوند کا رول کیا اور کئی دن بستر پر نہ لیٹی۔

یہ الگ بات ہے اداکاراؤں کو آرام کرنے کے لئے ڈاکٹر اکثر یہی ہدایت کرتے ہیں کہ ہفتہ بستر کے قریب نہ جائیں۔ کلنٹن کو ہلیری کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ جس کے پاس سب کچھ ہو اسے بیوی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اسے پتہ چل سکے کہ اس کے پاس سب کچھ نہیں ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ میرج کونسلر امریکہ میں ہیں اور سب سے زیادہ طلاقیں بھی وہیں ہوتی ہیں۔ آبادی کے تناسب سے زیادہ وکیل ہمارے ہاں ہیں لیکن جرائم دنیا میں سب سے زیادہ ہمارے ہاں نہیں۔ صرف اس سے اندازہ لگالیں ہمارے وکیل اپنے پروفیشن کو کتنی کم توجہ دیتے ہیں۔ بہرحال امریکہ میں اتنے میرج کونسلر ہونے کے باوجود ہلیری کی ازدواجی زندگی بچی رہی تو وجہ ہلیری ہی تھیں کچھ لوگ تو کلنٹن کے اتنے معترف ہیں کہ ویاگرا کے موجدوں کو جب انعام ملنے لگا تو انہوں نے کہا کہ ان میں کلنٹن کا نام بھی ہونا چاہیے کیونکہ سائنس دانوں کے ذہن میں یہ آئیڈیا کلنٹن کے ڈی این اے کے مطالعہ کے بعد آیا۔ "مینز ہیلتھ میگزین" کی رپورٹ کے مطابق جانوروں کے ڈاکٹروں نے شیروں کی جنسی زندگی کے مطالعے کے بعد انہیں جنگل کا شیر کہنے کی بجائے امریکہ کا صدر کہنا شروع کر دیا ہے۔ لگتا ہے آنے والے وقتوں میں امریکہ کی ہسٹری اسلامی ممالک میں سنسر ہو جایا کرے گی۔ ہمیں امید ہے ہلیری اور کلنٹن کو آسکر مل ہی جائے گا۔ ہمیں تو فکر اپنے مستحقین کی ہے۔ پرائم ایکٹر ہونا اتنا مشکل ہے کہ معراج خالد جب ایکٹنگ پرائم منسٹر بنے تو ان سے پرائم منسٹر کی ایکٹنگ ہو ہی نہ سکی البتہ نواز شریف کی پرفارمنس ایسی ہے کہ باکس آفس پر بزنس کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں آج کل پاکستان کو میاں اور اللہ میاں چلا رہا ہے۔ ویسے تو پی پی کے دور میں بھی بے نظیر کے میاں اور اللہ میاں ہی ملک چلا رہے تھے۔ میاں صاحب بے نظیر فلم کے وائنڈ اپ میں بڑے دلیر لگے ہیں' اس بندے کی طرح جو ڈینٹسٹ کے پاس گیا اور کہا "بہت جلدی ہے کوئی سن کرنے یا بے ہوش کرنے

کی ضرورت نہیں جلدی سے دانت نکال دیں تاکہ میں جاؤں" ڈینٹسٹ بڑا خوش ہوا اور بولا "اور مریض بھی تمہاری طرح بہادر اور قوت برداشت والے ہونے چاہئیں۔ اب بتاؤ کونسا دانت نکالنا ہے؟" وہ شخص مڑا اور بیوی سے بولا "منہ کھول کر ڈاکٹر کو دانت دکھاؤ" بری ایکٹنگ پر نااہل اور نااہلیہ کو بھی انعام ملنا چاہیے۔ ایک بار ہم نے برا لکھنے والوں کو انعام دینے کا پلان بنایا۔ حساب لگایا تو اس میں بھی وہی لوگ حق دار بنے جنہیں حکومت پرائیڈ آف پرفارمنس دینے کا اعلان کر چکی تھی۔ ہو سکتا ہے نااہل اور نااہلیہ یہ ایوارڈ نہ لیں۔ انہیں پتہ ہے ایوارڈ لینے سے انکار کرنا اسے قبول کرنے کا ایسا طریقہ ہے جس میں بندے کو زیادہ شہرت ملتی ہے۔ بہت سے ایکٹر جیسے اعجاز الحق، شیخ رشید، گوہر ایوب وغیرہ وغیرہ سٹیج اداکار ہونے کے باعث سکرپٹ سے ہٹ کر اپنی طرف سے فقرے بولتے رہے اور کلک نہ ہو سکے۔ البتہ شہباز شریف نے پنجابی ہیرو کے طور پر خود کو منوایا۔ ویسے تو اداکار جب اپنے درمیان سے بہتر اداکار چنتے ہیں تو اسے آسکر کہتے ہیں جب لوگ مل کر بہترین اداکار چنتے ہیں تو اسے الیکشن کہتے ہیں۔ شہباز شریف اور نواز شریف تو لوگوں کی اکثریت کے چنیدہ ہیں۔

○○○

• خواجہ سرائیاں

خواجہ ریاض محمود کا نام ذہن میں آتے ہی آنکھوں میں جو چیز سب سے پہلے آتی ہے وہ نیند ہی ہے۔ ایک زمانہ تھا وہ جس تقریب کے مہمان خصوصی یا صدر ہوتے وہاں ضرور سوتے جس تقریب میں نہ سوتے منتظمین سمجھنے لگتے خواجہ صاحب کو ہماری تقریب پسند نہیں آئی۔ آج کل وہ نواز شریف کی کھلی کچہری کے کھلے انچارج ہیں۔ دیکھنے میں تو وہ ایسے ہیں کہ اکیلے بیٹھے ہوں تو یوں لگتا ہے کھلی کچہری لگی ہے۔ خواجہ صاحب سے تو عید ملنا بھی ورزش میں آتا ہے۔ اس بار عید پر نواز شریف کو معذوروں سے عید ملتے دیکھ کر خواجہ صاحب نے انہیں کہا تھا "کاش ہم بھی "خصوصی افراد" میں سے ہوتے تو آپ ہمیں بھی اتنی توجہ دیتے" پہلے تو ہم اسے خواجہ صاحب کی انکساری سمجھے ورنہ اپنی گفتگو سے وہ کسی سے کم نہیں لگتے لیکن جب سے پیر بنیامین نے ان کے خلاف بیان بیازی کی ہے ہمیں لگا ہے نواز شریف کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اب خواجہ صاحب کو "خصوصی فرد" نہیں مانتے۔ پیر بنیامین نے خواجہ صاحب کو بیت المال ایکٹ بھی پڑھنے کو بھیجا ہے۔ خواجہ صاحب کو پڑھنے کے لئے کچھ بھیجنا ایسے ہی ہے جیسے انجمن کو برقعہ گفٹ کرنا۔ جیسے خواجہ صاحب کچھ بھی کہہ سکتے ہیں ایسے ہی پیر بنیامین کچھ بھی کہہ سکتے ہیں وہ تو صحیح کام کرنے سے پہلے بھی نہیں سوچتے۔

بہرحال پڑھنے سے خواجہ صاحب کا اتنا تعلق ہے کہ چند برس قبل جب یہ خبر چھپی کہ خواجہ ریاض محمود صاحب نے لکشمی چوک سے چائے کا کھوکھا اٹھوا دیا ہے تو ہم نے فوراً کہا یہ ان کے خلاف سازش ہے کیونکہ وہ کسی کھانے پینے کی چیز کی دکان اٹھوا ہی نہیں سکتے۔ کتابوں کی دکان ہوتی تو اور بات تھی۔ خواجہ صاحب کو اکثر لوگ کھاجا صاحب کہتے ہیں۔ نسیم حسن شاہ صاحب ایسی شخصیت ہیں جو تین افراد کے ہجوم میں گم

ہو جاتے ہیں جبکہ خواجہ صاحب ایسے ہیں کہ تین افراد تو خواجہ صاحب میں کھو جاتے ہیں۔ وہ نواز شریف کے زیادہ قریب ہیں۔ سب جانتے ہیں ایک موٹا آپ سے اتنے ہی فاصلے پر بیٹھا ہو جتنے پر ایک پتلا ہو تو موٹا پتلے کی نسبت آپ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب صرف نواز شریف کو سراہتے ہیں اور کسی کو شاید اس لئے نہیں سراہتے کہ لوگ انہیں خواجہ سراہی نہ سمجھنے لگیں۔ لوگ انہیں نواز شریف کی زنجیر عدل سمجھ کر ہلاتے رہتے ہیں اس لئے کھلی کچہری میں وہ ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خواجہ کا تھیٹر بڑا رش لیتا ہے۔ کھلی کچہری کا انچارج ہونا ایسا کام ہے اسے دیکھ کر اکثر خواجہ صاحب سے یہ پوچھنے کو دل چاہتا ہے کہ انہوں نے کیا غلطی کی تھی جو انہیں کھلی کچہری کا انچارج بنا دیا گیا۔ فریادی وہ حال کرتے ہیں کہ اگر کوئی اور شخص بھی دو دن کھلی کچہری کا انچارج رہے تو تیسرے دن وہ بھی خواجہ صاحب لگنے لگے۔ حکمرانوں کے سامنے بولنا کتنا مشکل ہوتا ہے کسی شادی شدہ سے پوچھ لیں۔ خواجہ صاحب حکمرانوں کے سامنے بھی بولتے ہیں ظاہر ہے چپ رہ کر وہ ان کی تعریف کیسے کر سکتے ہیں۔ خواجہ صاحب کھلی کچہری یوں آتے ہیں جیسے پہلے اکھاڑے میں جایا کرتے تھے۔ اگرچہ یہاں ہار ہی ہار ہے جو گلے میں بھی پڑ جاتے ہیں لیکن خواجہ صاحب اس شخص کی طرح ہیں جس سے کسی نے اس کی ازدواجی زندگی کا پوچھا تو وہ بولا' کیا بتاؤں برا حال ہے گھر میں ہر وقت لڑائی رہتی ہے پریشان رہ رہ کر میرا 10 پونڈ وزن کم ہو گیا ہے" دوست بولا تم اتنے تنگ ہو تو اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ وہ بولا "نہیں ابھی نہیں میں سات پونڈ اور کم کرنا چاہتا ہوں" خواجہ ریاض محمود بھی مزید خواجہ ریاض محمود ہونا چاہتے ہیں ورنہ ایسے لوگ بھی ہیں ایک صاحب کو سٹینڈنگ کمیٹی کا ممبر بنایا گیا تو وہ بولے "مجھے سٹینڈنگ کمیٹی میں نہ رکھیں مجھے ڈاکٹر نے کھڑا ہونے سے منع کیا ہے سٹنگ کمیٹی میں رکھیں" جبکہ خواجہ صاحب ایسے ہیں کہ اگر نواز شریف نے انہیں سٹینڈنگ کمیٹی میں ہونے کا اشارہ بھی دے دیا تو فوراً سٹینڈ ہو جائیں گے۔ خواجہ صاحب کھلی کچہری

میں آنے والوں کی یوں سنتے ہیں جیسے ہیروارث شاہ سن رہے ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہیر بھی ملے تو اسے رانجھے کی بجائے وارث شاہ کے حوالے کر دیں۔ ان کے اکثر مشورے ایسے ہوتے ہیں جیسا ایک پاکستانی سفرنامہ نگار کو روسی دوشیزہ نے دیا۔ ٹرام میں سوار پاکستانی سفرنامہ نگار نے کہا "مجھے البیرونی سٹیشن پر اترنا ہے گائیڈ کر دیں" تو وہ بولی "مجھے دیکھتے رہیں میں جہاں اتروں اس سے ایک سٹیشن پہلے اتر جانا" ہماری خواہش ہے خواجہ کا یہ تھیٹر ہر شہر میں لگنا چاہیے اب تفریح کے مواقع رہ ہی کتنے گئے ہیں۔ لیکن بقول شخصے نواز شریف اپنے محلے میں کھلی کچہری اس لئے لگواتے ہیں کہ آئندہ انہیں اس علاقے سے کونسلر کا الیکشن لڑنا ہے۔ خواجہ ریاض محمود کا یہ کہنا کہ کاش ہمیں بھی اتنی توجہ دیتے ظاہر کرتا ہے نواز شریف جنہیں خصوصی توجہ دیتے ہیں انہیں کیا سمجھتے ہیں۔ جیسے فرانسیسی بارودیرجی باردت کے بارے میں ہے اسے جانوروں سے اتنی محبت ہے کہ وہ کسی بندے سے بھی اظہار محبت کرے تو وہ سمجھتا ہے مجھے جانور سمجھ رہی ہے۔ بہرحال ہم سمجھتے ہیں خواجہ ریاض محمود ہر لحاظ سے خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ انہیں ان سے زیادہ توجہ ملنی چاہیے جنہیں ان سے کم توجہ ملنی چاہیے۔

○○○

• BUREAUC-RATS

ہم سمجھتے تھے بیورو کریٹس ان سے زیادہ صلاحیتیں ہوتی ہیں جن میں بیورو کریٹس سے کم صلاحیتیں ہوتی ہیں لیکن انکی جس صلاحیت کی طرف گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ معین الدین حیدر نے اشارہ کیا وہ ہم نے نہیں سنی تھی۔ انہوں نے فرمایا ہے "میں فکر مند رہا کرتا کہ سماعت سے محروم بچوں اور افراد کو کہاں ملازمتیں دی جائیں اب میں نے محسوس کیا ہے کہ ان کے لئے بیورو کریسی سے زیادہ مناسب جگہ کوئی اور نہیں ہو سکتی" ان کے اس فرمان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے بیورو کریسی کی تعریف کی ہے یا ان کا نقص بیان کیا ہے۔ وہ گورنر ہیں اور فوجی بھی ہیں' جیسے وکیل' وکالت چھوڑ کر سچ بولنے لگے لوگ پھر بھی اسے وکیل ہی کہہ کر بلاتے ہیں ایسے ہی جو ایک بار فوجی ہو جائے وہ پھر عمر بھر فوجی ہی رہتا ہے۔ ہم فوجیوں کی آدھی بات کو بھی پوری سمجھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے وہ پوری بھی آدھی سمجھتے ہیں اسی لئے کسی نے پوچھا کہ فوجیوں کو آدھی ٹکٹ پر فلم دیکھنے کی سہولت کیوں دی جاتی ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا "اس لئے کہ انہیں سمجھ بھی تو آدھی ہی آتی ہے۔" بہرحال گورنر صاحب کے اس بیان سے ہمیں لگتا ہے بیورو کریسی واقعی نہیں سنتی ورنہ گورنر صاحب ایسی بات نہ کہتے۔ ہمارے ہاں کسی کو ملازمت سے نکالنے کے لئے اصول ہوتے ہیں' رکھنے کے لئے نہیں پھر بھی ایک سیانے نے کچھ اصول بتائے ہیں جن کی روشنی میں ہم جان سکتے ہیں کہ کون کس جاب کے لئے فٹ ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ امیدواروں کو بلا کر ایسے کمرے میں بھیج دیں جہاں صرف ایک میز اور دو کرسیاں ہوں اور اسے کچھ کہے بغیر دو گھنٹے کے لئے وہاں رہنے دیں۔ دو گھنٹے بعد جا کے دیکھیں وہ کیا کر رہے ہیں جو ایش ٹرے میں سے سگریٹ کے ٹوٹے گن رہا ہو اسے فنانس ڈیپارٹمنٹ میں بھیج دیں' جو سو رہا ہے اسے مینجمنٹ میں' کمرے میں داخل ہو کر نوٹ کریں جس نے آپ

کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اسے سکیورٹی میں رکھ لیں۔ دو گھنٹوں میں جسے سمجھ نہ آئے
کہ اسے کیا کرنا ہے اسے گورنر بنا دیں۔ ہمیں تو یہ معلوم نہیں کہ ملک کے دوسرے
صوبوں اور سندھ کی بیورو کریسی میں کیا فرق ہے لیکن اکثر سندھ سے ہمیں بیورو کریسی
کے بارے میں نئی نئی جانکاری ملتی رہتی ہے۔ سندھ ہائیکورٹ کے ایک فاضل جج نے
تو اپنے طور پر یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ طوائف بیورو کریٹ سے بہتر ہوتی ہے۔ پنجاب
میں البتہ بیورو کریٹ کو طوائف نہیں سمجھا جاتا۔ طوائف کو بیورو کریٹ سمجھا جاتا ہے۔
عوام بیورو کریسی سے اتنے ہی فاصلے پر ہیں جتنے فاصلے پر بیورو کریسی عوام سے ہے۔ چھوٹے
قصبوں کے ملازم لوگ اپنے بچوں کو چڑیا گھر اور خود کو سول سیکرٹریٹ دکھانے لاہور
آتے ہیں' کچھ عرصہ قبل ہمیں پتہ چلا کہ چڑیا گھر کے جانوروں کو جلو پارک شفٹ
کیا جا رہا ہے اور چڑیا گھر کی جگہ سول سیکرٹریٹ کو دینے کا منصوبہ ہے۔ ہم نے تو اپنے
طور پر حساب بھی لگا لیا تھا کہ کس کس جانور کے پنجرے کی جگہ کس کس افسر
کا آفس ہو گا۔ اس میں خیر کا پہلو یہ بھی تھا کہ لوگ ٹکٹ لے کر افسروں کو دیکھ
سکا کریں گے' یوں حکومت کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو گا' ایسا ہی خیر کا پہلو بیورو کریسی
کے بہری ہونے میں نظر آیا کہ وہ برا سن نہ سکے گی ویسے ہمارا مشاہدہ ہے کہ اقتدار
میں آنے کے بعد بندے کی قوت سماعت کمزور ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے گورنر صاحب
کی قوت سماعت چیک کی جائے تو پتہ چلے وہ بھی سننے کی بجائے صرف بولتے ہی ہیں۔
اقتدار میں آنے سے قوت سماعت کم کیوں ہوتی ہے معلوم نہیں' البتہ شادی کے بعد
مردوں کی قوت سماعت کم ہونے کی وجہ ڈاکٹروں نے یہ بتائی ہے کہ مسلسل شور میں
رہنے کی وجہ سے خاوند اونچا سننے لگتے ہیں۔ بیورو کریسی کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اونچا سنتی
ہی نہیں اونچا سمجھتی بھی ہے جیسے مصطفیٰ کھر کو زنانہ آواز' مردانہ آواز سے صاف سنائی
دیتی ہے ایسے ہی بیورو کریسی کو صرف اپنی باتیں سنائی دیتی ہیں جہاں تک دوسروں کی
بات ہے تو معاملہ اس بوڑھے کی طرح جسے ہیئرنگ ایڈ لگانے کے ایک ماہ بعد ڈاکٹر
نے پوچھا "اب آپ مکمل سنتے ہیں آپ کا خاندان تو بہت خوش ہو گا" اس پر وہ بولا

"نہیں میں نے ابھی تک اپنی فیملی کو یہ بتایا ہی نہیں میں تو بیٹھا ان کی گفتگو سنتا رہتا ہوں اور تین بار اپنی وصیت بدل چکا ہوں" کہتے ہیں ملنے سے شکلیں ملنے لگتی ہیں' دس سال بعد تو میاں بیوی بھی دیکھنے میں بہن بھائی لگنے لگتے ہیں۔ ہماری پولیس کی شکلیں دیکھ کر ہی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں لیکن بیورو کریٹس کی ایسی شکلیں اپنی ہی صحبت میں رہنے سے ہوئی ہیں جیسے 99 فیصد سیاستدانوں کی وجہ سے جو اچھے سیاستدان ہیں ان کی ریپوٹیشن بھی خراب ہے ایسے ہی کچھ بیورو کریٹس کی وجہ سے دوسرے بھی بدنام ہیں' جیسے ایک نوجوان سڑک پر گڑھے کھود رہا تھا وہ بڑی محنت اور لگن سے کام کر رہا تھا وہ گیا تو دو گھنٹے بعد ایک جوان آ کر گڑھوں سے نکالی ہوئی مٹی دوبارہ گڑھوں میں ڈالنے لگا۔ وہ بھی بڑی محنت اور احتیاط سے یہ کام کر رہا تھا' کسی نے پوچھا "تم محنت تو کر رہے ہو پر اس سے حاصل کیا ہو گا؟" ہم تو اپنی اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے کر رہے ہیں پودے لگانے والا تیسرا بندہ اپنی ڈیوٹی پر نہیں آیا۔" بیورو کریسی میں بھی خرابی اسی تھرڈ پرسن کی وجہ سے ہے۔

○○○

• پاگلیات

شہباز شریف اگرچہ دیکھنے میں ذہنی امراض کے ڈاکٹر نہیں لگتے' نارمل دکھتے ہیں پھر بھی اس شعبے پر ان کے بڑے احسانات ہیں جو سرکاری ملازم چند گھنٹے ان کے ساتھ گزار لے' وہ ذہنی امراض کے ڈاکٹر کے پاس ضرور جاتا ہے لیکن انھوں نے میڈم بے نظیر بھٹو کو دیوانی قرار دے کر باقاعدہ میڈیکل پریکٹس شروع کر دی ہے۔

کسی نے پوچھا "کیسے پتہ چلتا ہے عورت سیانی بات کرنے لگی ہے" جواب ملا "آسان ہے جب وہ اپنی گفتگو اس سے شروع کرے کہ ایک مرد نے مجھے بتایا" بے نظیر بھٹو کئی زبانیں جانتی ہیں حالانکہ اسمبلی میں ان کی گفتگو سن کر یہی لگتا ہے کہ عورت کے لئے ایک زبان ہی کافی ہوتی ہے۔ شہباز شریف البتہ ہر کسی سے اس کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ان جیسے ایک شخص سے کسی نے پوچھا "تم ایک دن میں اتنی غلطیاں کیسے کر لیتے ہو؟" بولے "میں صبح بہت جلدی اٹھتا ہوں۔" ہمیں ایک سیانے نے کہا تھا کبھی کسی بدصورت سے نہ لڑنا اس کے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہوتا۔ کسی یورالوجسٹ کے ہاتھ سے کچھ نہ پینا' کسی سیاستدان کو برا مت کہنا کہ سیاستدان تو تم اسے پہلے ہی کہہ رہے ہو اور کسی سیاستدان کے بیان پر تب تک یقین نہ کرنا جب تک وہ اس کی تردید نہ کر دے۔ شہباز شریف نے اپنی تشخیص کی تردید تو نہیں کی ہو سکتا ہے اس کی بھی کوئی وجہ ہو۔ اب تو بلاوجہ نوبل پرائز بھی نہیں ملتا۔ اس بار 1998ء کا طب کا نوبل پرائز ویاگرا دریافت کرنے والے امریکی سائنس دانوں کو ملا۔ انعام دینے کی وجہ یہ پتہ چلی کہ انعام دینے والی کمیٹی کے ججوں کی عمر 70 سال سے زیادہ تھی۔

ہو سکتا ہے یہاں دیوانی سے مراد وہ نہ ہو جس کے ہم دیوانے ہیں۔ پہلی بار جب ہم نے دیوانی عدالت لکھا پڑھا تھا تو سوچنے لگے تھے کہ یہ عدالت کیا حرکتیں کرتی ہیں

جو لوگ اسے دیوانی کہتے ہیں۔ شہباز شریف کا بے نظیر کو دیوانی کہنا ان کی دیوانی رائے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ پنجاب کے دیوان اعلیٰ ہیں یا وجہ اپوزیشن کی دیوانی ھانڈی ہو۔ کسی نے کہا تھا کانگریس بڑی چالاک نکلی اس نے پہلے شراب پر ٹیکس لگایا پھر اس نے دوسرے ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا تاکہ شراب کی کھپت زیادہ ہو ایسے ہی شریف برادران نے پہلے بے نظیر کو سیف الرحمٰن جیسے مرض میں مبتلا کیا اب اسے دیوانی کہہ رہے ہیں۔

سیاست میں اگر آپ باعزت مقام چاہتے ہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہے' سیاست سے دور رہیں۔ الیگزینڈر پوپ نے کہا تھا ادیبوں شاعروں کو پرکھنے کا ایک ہی اصول ہے وہ یہ کہ جو بڑے ہوتے ہیں وہ دیوان ہوتے ہیں اور جو چھوٹے شاعر ادیب ہوتے ہیں وہ احمق ہوتے ہیں لیکن یہ اصول سیاستدانوں پر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ یہ چھوٹے ہوتے ہی نہیں۔ البتہ عوام کی بات اور ہے۔ ایک برطانوی دانشور نے کہا تھا مری آدھی قوم دیوانی ہے اور باقی آدھی ذہنی طور پر ٹھیک نہیں۔ الیکشن بوتھ وہ جگہیں ہوتی ہیں جہاں عوام یہ فیصلہ کرنے کے لئے لائنیں بنائے کھڑی ہوتی ہے کہ ان کی رقم کون خرچ کرے گا۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق ہر تیسرا پاکستانی نفسیاتی امراض کا شکار ہے۔ یاد رہے انہوں نے صرف پاکستانیوں کا بتایا ہے سیاستدانوں کا نہیں۔ بہرحال وہ مسئلہ جس کا آپ کے پاس کوئی حل نہ ہو وہ مسئلہ نہیں حقیقت ہوتی ہے۔ آپ اپنے دو دوستوں کے بارے میں سوچیں اگر وہ ذہنی طور پر ٹھیک ہیں تو اس پر پریشان ہو جائیں کہ تیسرے آپ ہیں۔ اسمبلی کی کارروائی دیکھ کر تو یہ یہی لگتا ہے کہ ہر فرد ان کا ہی نمائندہ ہے۔ سیاست اور سرکس میں یہ فرق ہے کہ سرکس میں مسخرے بولتے نہیں۔ وزیر "نشریات" مشاہد حسین نے پتہ نہیں کس ٹیسٹ کے بعد شہباز شریف کی تشخیص کو یہ کہہ کر کنفرم کر دیا ہے کہ بے نظیر حواس کھو چکی ہے۔ محترمہ نے حواس کہاں کھوئے ہیں معلوم نہیں لیکن وہ تلاش اسمبلی میں کر رہی ہیں۔ اس اداکارہ کی طرح جو سٹوڈیو کے باہر کھمبے کی روشنی میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ پوچھا "یہاں کیا تلاش کر رہی

ہو" بولی "اپنی چابیاں" پوچھا "کہاں گری ہیں" بولی "وہاں" پوچھا "پھر یہاں کیوں ڈھونڈ رہی ہو؟" کہنے لگی "یہاں روشنی ٹھیک ہے ناں" کنوارا احمق اتنا احمق نہیں ہوتا ورنہ وہ کنوارا احمق نہ ہوتا۔ ایسے ہی دیوانہ سیاستدان اتنا دیوانہ نہیں ہوتا جتنا سیاستدان ہوتا ہے۔ جیسے کسی شخص کی خرابیِ صحت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ کس مرض میں مبتلا ہے ایسے ہی قوم کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ ان سے کون کون سے سیاستدان لاحق ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کوئی سیاستدان دیوانہ پن کا شکار نہیں بلکہ یہ وہ دیوانہ پن ہے جس میں قوم مبتلا ہے۔

○○○

• جذبہ خیر سگالی

ہم پیروں کو زیادہ تو نہیں جانتے' جوانوں میں ہی رہتے ہیں لیکن سندھ کے پیر پگاڑو اور سرحد کے پیرپگاڑو ہمیں پسند ہیں۔ دونوں ایسی باتیں کرتے ہیں کہ سننے والے کا "ویلیں" کرانے کو دل چاہتا ہے۔ پیر صابر شاہ سرحد مسلم لیگ کی سرحد ہیں۔ پھر وہ وزیراعظم کے مشیر برائے سیاسی و قومی امور ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں ان کی کسی اور خامی کا علم نہیں۔ ہمارے ہاں اکثر مشیر ایسے ہوتے ہیں جن کے اپنے گھر والوں کو کوئی کام کرنا ہو تو وہ ان سے مشورہ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک دوست بتاتے ہیں انھوں نے ساری ترقی اپنی بیوی کے مشوروں کی بدولت کی۔ ہم نے پوچھا "کیسے؟" بولے "بیوی جو کہتی میں اس کے الٹ کرکے کامیاب ہو جاتا" ایسے ہی نواز شریف اپنے مشیروں کی وجہ سے چل رہے ہیں۔ پیر صابر شاہ کی شخصیت میں جتنا صبر ہے سارا ان کے نام میں ہے۔ فرماتے ہیں "واجپائی نے الیکشن کے بعد کہا تھا' میں ٹینک پر بیٹھ کر پاکستان جاؤں گا' لیکن وہ بس پر پاکستان آئے۔ انشاء اللہ وقت آئے گا جب وہ گدھے پر بیٹھ کر پاکستان آئیں گے۔"

جیسے کوئی الو کہے تو اس پر غصہ کرنا ہے یا اس کا شکریہ ادا کرنا ہے یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ الو کو سمجھتا کیا ہے۔ ہمارے گوجرانوالہ کے حاجی گلو جب الیکشن میں کھڑے ہوئے تو مخالفوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ایک الو سوگلو' حاجی صاحب کو بڑا غصہ آیا۔ انھوں نے جا کر ان کو گھیر لیا اس سے پہلے کہ ان کی ٹھکائی شروع کرتے ایک صاحب بولے "حاجی صاحب آپ ایسے ہی ناراض ہو رہے ہیں' دراصل ہم تو آپ کی عقلمندی کی تعریف کر رہے تھے۔ امریکہ میں الو عقل و دانش کی علامت ہے۔ وہاں کی لائبریریوں کے باہر بھی الو کی تصویر لگی ہوتی ہے۔" حاجی صاحب یہ سن کر بولے "تو پھر یہ نعرہ لگاؤ سو الو ایک گلو" ممکن ہے صابر شاہ کے ہاں گدھا ان معنوں میں

نہ ہو جن میں ہم استعمال کرتے ہیں۔ گالیوں کے گورنر جنرل غلام محمد صاحب جس کو گالی نہ دیتے وہ سمجھتا گورنر مجھ سے ناراض ہیں۔ ایسے ہی ایک صاحب بیمار ہوئے ہم ان کی عیادت کو گئے تو ان کی بیٹی بتانے لگی۔ "ہفتے بعد آج ان کی طبیعت سنبھلی ہے' آج تو انھوں نے گالی بھی دی ہے۔" صابر شاہ کو جاننے والے ہی بتا سکتے ہیں کہ گدھے پر بیٹھنا ان کے نزدیک کیا فعل ہے۔ گدھا ان کے علاقے میں اتنا گدھا نہیں ہوتا ہم گدھے اور صابر شاہ کو زیادہ نہیں جانتے۔ یہ پتہ ہے ان کے علاقے کے اونچے نیچے رستوں پر بنی سڑکیں دیکھ کر ہم نے ایک مقامی بندے سے پوچھا تھا "یہ سڑکیں کیسے بنائی جاتی ہیں؟" تو اس نے بتایا "ہم گدھے کے اوپر چونے کا توڑا ڈال کر اس میں سوراخ کر دیتے ہیں وہ جہاں جہاں سے گزرتا ہے چونے کے نشان لگتے جاتے ہیں' بعد میں ہم ان پر سڑکیں بنا لیتے ہیں" پوچھا "اگر گدھے نہ ملیں تو......" بولا "پھر ہمارے لیڈر جہاں کہیں وہاں بنا دیتے ہیں" ویسے مسلم لیگ کی واجپائی سے جو محبت ہے اس حساب سے تو یہ گدھا یاترا بھی بی جے پی کی رتھ یاترا کی طرح لگتی ہے۔

وفاقی حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق اس دہائی کے شروع میں پاکستان میں گدھوں کی تعداد 34 لاکھ تھی جو دوگنی چوگنی ہو گئی ہے جبکہ گھوڑے دہائی کے شروع میں پچاس لاکھ تھے' اب کم ہو گئے ہیں۔ گھوڑے تو شاید اس لئے کم ہو گئے ہیں کہ نواز شریف نے قانون بنا کر ہارس ٹریڈنگ ختم کروا دی تھی لیکن گدھے کیوں بڑھ گئے۔ یہ صابر شاہ ہی بتا سکتے ہیں۔ کچھ کے خیال میں پاکستان میں گدھے افغانستان سے آ رہے ہیں' کچھ کہتے ہیں یہ بھارت سے آرہے ہیں۔ حتمی رائے تو پاکستانی سفارتخانے کی ہی مانی جائے گی کیونکہ ویزہ تو اسے ہی ایشو کرنا ہوتا ہے' ہو سکتا ہے مشاہد حسین پاکستان میں گدھوں کے اضافے کو کلنٹن اور نواز شریف کی ذاتی دوستی سے جوڑیں کیونکہ کلنٹن جس پارٹی سے ہیں اس کا انتخابی نشان گدھا ہے۔ ہو سکتا ہے واجپائی کو گدھے پر لانا بھی امریکی لائن ہو۔ سرحد میں تھوڑے فاصلے پر جانے کے لئے گدھے کو باربرداری کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے' ہو سکتا ہے صابر شاہ کی مراد یہ ہو کہ پاکستان اور بھارت

اتنے قریب آ جائیں گے کہ واجپائی گدھے پر بیٹھ کر بھی آ جا سکیں گے۔ جب جاپانی ماہرین ارضیات نے کہا زمین سکڑ رہی ہے اور ہر سال چین اور جاپان 2.9 سینٹی میٹر قریب آ رہے ہیں تو وہاں کے امید سے رہنے والے حلقوں نے کہا تھا دونوں ملکوں کے سیاستدان کئی دہائیوں سے اپنے ملکوں کو اتنا قریب نہ لا سکے جتنے اس زمینی تبدیلی سے آ جائیں گے۔ وہاں کے سیاستدان دونوں ملکوں کو شاید اس لئے قریب نہ لا سکے کہ دونوں کے درمیان دنیا کا سب سے بڑا کاہل یعنی بحرالکاہل ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان بھی کشمیر کا سمندر ہے جو بسوں اور گدھوں پر بیٹھ کر عبور نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال ممکن ہے صابر شاہ صاحب نے واجپائی کو گدھے پر بیٹھا کر اپنائیت کا اظہار کیا ہو۔ ہو سکتا ہے واجپائی بھی اپنائیت کا اظہار کرنا چاہیں جیسے نیا نیا جوڑا ہنی مون سے واپس آیا تو جہاز سے باہر نکلتے ہوئے بیوی کہنے لگی "ڈارلنگ ایسا کرو کہ لوگوں کو لگے ہماری شادی ہوئے عرصہ ہو چکا ہے" خاوند بولا "ٹھیک ہے پھر تم بیگ اٹھاؤ" واجپائی کی بس یاترا کو جماعت اسلامی نے بے بس یاترا بنا دیا پھر بھی دونوں لیڈران اسے بنیاد بنا کر اپنے اپنے ملکوں میں ہیرو بن رہے ہیں جبکہ ہمیں معاملہ اسرائیل اور عرب سپاہی والا لگتا ہے" ایک اسرائیلی سپاہی کمانڈر کے پاس آیا کہ مجھے تین دن کی چھٹی چاہیے۔ کمانڈر نے کہا "تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا' ابھی تو تم نے فوج جائن کی ہے اور آتے ہی 3 دن کی چھٹی مانگ رہے ہو کچھ کرکے تو دکھاؤ" اگلے دن وہ ایک عرب ٹینک کے ساتھ آیا کمانڈر اس کے کارنامے پر بڑا خوش ہوا اور بولا تم نے یہ بہادری کا کام کیسے کیا؟ وہ بولا "میں صحیح صحیح بتا دوں سزا تو نہیں دو گے" کمانڈر نے وعدہ کیا تو وہ بولا میں نے ٹینک لیا اور عرب بارڈر کی طرف گیا۔ اس پر اپنا سفید جھنڈا لٹکایا عرب ٹینک نے بھی ایسے ہی کیا میں نے عربی سپاہی سے کہا "کیا تم تین دن کی چھٹی لینا چاہتے ہو؟ اور اس سے ٹینک بدل لیا" ہو سکتا ہے صابر شاہ نے واجپائی کو گدھے پر بٹھانے کی بات جماعت اسلامی کو خوش کرنے کے لئے کی ہو کیونکہ جب نواز شریف نے واجپائی کے لئے بس کا انتظام کیا تھا جماعت اسلامی نے گدھے کا انتظام کیا تھا۔

یہ الگ بات ہے' حکومت نے ان کے جذبہ "خر" سگالی کو خرسہ گالی سمجھا۔ البتہ ہمیں امید ہے صابر شاہ کے کارخر کو کارخیر ہی سمجھا جائے گا۔

○○○

• سڑکیات

ہم بھی صحافی ہوتے جا رہے ہیں یعنی سب سے پہلے ہماری نظر بری خبر پر ہی پڑتی ہے ویسے بھی اچھی خبر تو خبر ہی نہیں ہوتی۔ خبر ہے کہ ورلڈ بنک نے روڈ ٹیکس لگانے کا مطالبہ کر دیا ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں ٹیکس دینے والوں کو جو سمجھا جاتا ہے اس حساب سے تو حکومت کو انکم ٹیکس نہیں حماقت ٹیکس ملتا ہے ویسے اگر حکومت ذہانت اور دیانت پر ٹیکس لگا دے تو کوئی سیاست دان ٹیکس نادہندہ نہ نکلے۔ بہرحال ورلڈ بنک کے اس مطالبے کے بعد سڑک پر چلنے کا جتنا مزا آیا پہلے کبھی نہیں آیا۔ آج پتہ چلا جو مفت ملے اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ موجودہ حکومت نے وہ سڑکیں جہاں سے پہلے دو گاڑیاں ٹکرا کر گزرتیں اتنی بڑی کردی ہیں کہ واں سے بیک وقت پانچ گاڑیاں ٹکرا کر گزر سکتی ہیں۔ لاہور میں پہلے سڑکیں ڈھونڈنا پڑتی تھیں اب تو دکانوں کے اندر تک آ گئی ہیں۔ سڑکوں کی یہ بات ہمیں کبھی اچھی نہیں لگی کہ لاہور کی سڑکیں اسلام آباد چلی جاتی ہیں وہاں سے سڑکیں یہاں آ جاتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں ہر شہر کی سڑکیں اسی شہر میں رہیں۔ بہرحال جہاں تک روڈ ٹیکس لگانے کی بات ہے تو ہم سمجھتے ہیں اس سے حکومت کو بڑے فائدے ہوں گے جیسے حکومت نے موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی پابندی لگا کر آدھے جرائم کم کر دیئے ہیں ایسے ہی روڈ ٹیکس لگا کر انہیں مزید کم کیا جا سکتا ہے بلکہ اگر سڑکوں پر پابندی لگا دی جائے تو جرائم کا مکمل خاتمہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ 99 فیصد جرائم میں سڑک ضرور استعمال ہوتی ہے' ویسے تو کچھ سیانوں کا خیال ہے اگر حکومت روٹی پر پابندی لگا دے تو بہت فائدہ ہو کیونکہ 99 فیصد جرائم روٹی کھانے کے 24 گھنٹے کے اندر ہوتے ہیں۔ پھر روٹی کی ADDICTION بھی ہے۔ ہیروئن کی طرح بندہ اس کا اتنا عادی ہو جاتا ہے کہ نہ ملے تو مانگنے پر اتر آتا ہے۔ روڈ ٹیکس لگانے سے حکومت

کو اپوزیشن کا ڈر بھی نہیں رہے گا کیونکہ اپوزیشن کو عوام کو سڑک پر لا کر حکومت بدلنا ہوتی ہے۔ عوام ٹیکس کے ڈر سے سڑک پر بھی نہیں آئیں گے کیونکہ ڈنڈوں سے زیادہ ٹیکسوں سے عوام کی کمر ٹوٹتی ہے۔ جہانگیر بدر نے کہا تھا "جلوسوں میں پیدا ہوا ہوں" اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس زمانے میں میٹرنٹی ہوم نہیں ہوتے تھے بلکہ آج بھی لیڈر جلوسوں میں ہی پیدا ہوتے ہیں اور جلوس سڑکوں پر پیدا ہوتے ہیں۔ روڈ ٹیکس لگنے سے لیڈر پیدا ہونے کم ہو جائیں گے کیونکہ لوگ ٹیکس دے کر انہیں پیدا کرنے سڑکوں پر نہیں آئیں گے۔

ہم سمجھتے ہیں جتنا سڑکوں نے لوگوں کو خدا سے ملایا اتنا مسجدوں نے نہ ملایا ہو گا۔ البتہ دہشت گردی کے بعد ہماری مسجدیں اللہ تک پہنچنے کا شارٹ کٹ بنی ہیں' ورنہ پندرہ بیس سال قبل کہا کرتے تھے موٹر سائیکل پر سوار مت ہوں۔ 20 فیصد جان لیوا حادثے اس پر ہوتے ہیں۔ گھر میں مت ٹھہریں 17 فیصد حادثے گھروں میں ہوتے ہیں۔ گلی اور سڑک پر پیدل نہ چلیں 14 فیصد حادثے پیدل چلنے والوں کو پیش آتے ہیں۔ ہوائی بحری اور بری سفر نہ کریں 16 فیصد حادثے ان میں ہوتے ہیں۔ صرف 001. فیصد موتیں مسجدوں میں عبادت کے دوران ہوتیں۔ یہ بھی ان کی جن کو پہلے سے کوئی جسمانی بیماری ہوتی۔ ہمارے ہاں چونکہ ٹریفک جب بھی چلتی ہے سڑکوں پر ہی چلتی ہے' اس لئے ٹریفک کے بیشتر حادثے سڑکوں پر ہی ہوتے ہیں۔ یہ حادثے حادثاتی طور پر ہو جاتے ہیں۔ ٹریفک کے حادثوں میں بندہ جو سبق سیکھتا ہے وہ آخری سبق بھی ہو سکتا ہے' کہتے ہیں اگلی سیٹ پر بچوں کی وجہ سے حادثے ہوتے ہیں اور پچھلی سیٹ پر حادثوں کی وجہ سے بچے ہوتے ہیں۔ آج کل لوگ ذرا سی بات کے لئے سڑک پر آ جاتے ہیں۔ نوکریاں لینے کے لئے' انصاف لینے کے لئے یہاں تک کہ ہسپتال تک پہنچنے کے لئے سڑک پر آ جاتے ہیں۔ ٹیکس لگنے کے بعد سوچ کر نکلا کریں گے۔ جیب میں پیسے نہ ہوں گے تو دور سے سڑک دیکھا کریں گے۔ مشہور باکسر جولوئیس سے کسی نے پوچھا "آپ کو باکسنگ

کیریئر میں سب سے زیادہ زور سے مکا کس نے مارا؟" تو وہ بولا "انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ نے" ہم نے ایک رائٹر سے پوچھا "سنا ہے آپ فکشن لکھ رہے ہیں' تازہ کیا لکھا؟" بولا "انکم ٹیکس ریٹرن" وہ محبوبہ کی تعریف یوں لکھتا ہے کہ وہ اتنی اچھی لگ رہی تھی جیسے انکم ٹیکس ری فنڈ ہو۔ حکومت چاہتی ہے لوگ مسکرا کر ٹیکس ادا کریں' کوئی اداکارہ ہی مسکرا کر اپنا ٹیکس ادا کر سکتی ہے۔ ہماری مسکراہٹ کی اتنی قیمت کہاں! مغرب میں صرف ڈیوٹی فری شاپس ہیں۔ ہمارے ہاں ہر چیز ڈیوٹی فری ہے۔ دفتر ڈیوٹی فری' افسر ڈیوٹی فری البتہ سڑکیں ڈیوٹی فری نہیں ہیں' ان پر ٹریفک کانسٹیبل آن ڈیوٹی ہوتے ہیں اور گزرنے والوں کو ڈیوٹی ادا کرنا پڑتی ہے۔ اگر روڈ ٹیکس لگ گیا تو یہ جرمانہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔ ویسے بھی جرمانے اور ٹیکس میں فرق یہی ہے کہ جرمانہ غلطیاں کرنے کا ٹیکس ہے اور ٹیکس غلطیاں نہ کرنے کا جرمانہ۔

○○○

• فتویٰ مسرت

مولانا فضل الرحمٰن کے ہم بڑے مداح ہیں۔ سچی بات ہے ہمیں ان کی "ٹکر" کا کوئی لیڈر دور تک نظر نہیں آتا۔ مولانا اتنے وسیع و عریض ہیں کہ دور تک نظر آتے ہیں۔
سابق رکن اسمبلی قاضی فضل اللہ ایڈووکیٹ نے کہا تھا مسرت شاہین کے مولانا کے مقابلے میں آنے سے یہ بات تو طے ہو گئی ہے کہ مولانا کے مقابلے میں اب کوئی مرد نہیں رہا۔ اگرچہ اس بیان سے یہ بھی لگتا ہے کہ قاضی صاحب مسرت شاہین کو نہیں جانتے۔ بہر حال اس کے باوجود یہ سچ ہے کہ ابھی تک مولانا کے مقابلے میں کوئی مرد نہیں آ سکا۔ مولانا فضل الرحمٰن جو کبھی مولانا ڈیزل کے نام سے جانے جاتے تھے اپنے تازہ فتوے کے بعد مولانا بجلی ہو گئے ہیں۔ صوبہ سرحد میں ان سے قبل مولانا بجلی گھر تھے۔ ان کو اس نام سے کیوں پکارتے ہیں معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بجلی گھر جتنا رقبہ گھیرتے ہوں یا بجلی گھر کی طرح علاقے کو روشن رکھتے ہوں لیکن مولانا بجلی میں ساری بجلی ان کے اس فتویٰ کے بعد آئی جس کے مطابق سرچارج کے ہوتے ہوئے بجلی چوری کرنا جائز ہے۔ پاکستان میں آج کل ہر چیز کو نام دینے کا فیشن ہو گیا ہے۔ 28 مئی کو بھی 28 مئی نہیں رہنے دیا گیا۔ سو ہم نے بھی مسرت سے مولانا کے فتوے کو فتویٰ مسرت کا نام دے دیا ہے۔ ہم اس لئے خوش ہیں کہ پہلے اکثر فتوے نکاح لیوا ہوتے تھے۔ بندہ ووٹ بھی ڈالتا ڈرتا کہ کہیں مولانا عبدالقادر آزاد نے دیکھ لیا تو نکاح توڑ فتویٰ نہ دے دیں۔ ان فتووں سے سوائے مولانا عبدالستار نیازی اور کوئی بھی محفوظ نہ ہوتا۔ شکر ہے ہمارے مفتی حضرات کو بھی زمانے کی ہوا لگی اور وہ عوام کا بھلا بھی سوچنے لگے۔ ہو سکتا ہے کل کوئی مفتی زکوٰۃ کے ہوتے ہوئے انکم ٹیکس نہ دینا بھی جائز قرار دے دے۔ بہرحال مولانا کے فتویٰ کے بعد ہم بجلی چوروں کو چور نہیں کہہ سکتے۔ چور

کو جو عزت مولانا نے اب دی ہمارا اردو ادب شروع سے دیتا آیا ہے۔ اس کے مطابق چور کی داڑھی ہوتی ہے تاکہ اس میں تنکا ہو سکے۔ پھر اس کا لباس لنگوٹی ہوتا ہے تاکہ لوگ کہہ سکیں بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔ چوروں میں سب سے زیادہ اہمیت الٹے چور کو دی گئی جو کوتوال کو بھی ڈانٹ سکتا ہے۔ رکن اسمبلی عطا محمد قریشی کا بیان پڑھ کر اس کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔ انہوں نے تو فرمایا ہے "چور غلیظ ترین گالی ہے" وہ رکن اسمبلی ہیں اس لئے گالیوں کے بارے میں ان کی رائے ہی حتمی مانی جائے گی۔ ہم باقاعدگی سے کبھی اسمبلی نہیں گئے۔ اس لئے گالیوں کے بارے میں ہمارا علم اپ ٹوڈیٹ نہیں البتہ چوروں کے بارے میں ہماری رائے ہمیشہ بہتر رہی ہے کہ چور تو مہذب معاشرے کا اہم جزو ہوتے ہیں جو چھپ چھپا کر غلط کام کرتے ہیں۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ اگر ان کی چوری کا لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ چور کے رتبے سے گر کر ڈاکو بن جائیں گے۔ جہاں سب کچھ لوگ سرعام کر رہے ہیں وہاں چوری کرنے والے کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے کہ وہ جو کرتا ہے اسے غلط سمجھتا ہے چور کا لفظ عرصے کے بعد بجلی کے ساتھ آیا لیکن مولانا فضل الرحمٰن نے بذریعہ فتویٰ اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس فتویٰ کے ساتھ ہی ملک سے بجلی چوری کا خاتمہ ہو گیا۔ ایسے ہی جیسے مارگریٹ تھیچر نے بیروزگاری کے لئے عمر 16 سال سے بڑھا کر 18 سال کر دی۔ یوں ملک سے 30 فیصد بیروزگاری یک جنبش قلم ختم ہو گئی۔ ہم مولانا فضل الرحمٰن کی باتیں اور مسرت شاہین کی خاموشی بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔ انہوں نے یہ فتویٰ دے کر بڑے بڑے بجلی چوروں کے دل جیت لئے ہیں۔ ہم جیسے بھی خوش ہیں کیونکہ بجلی چوری اب جرم نہیں رہا۔ ویسے تو ہمارے ہاں غریبی ہی وہ جرم ہے جس کی سزا ضرور ملتی ہے۔ ہم ان لوگوں میں سے نہیں جنہیں جرم کرنا نیک کام کرنے سے آسان لگتا ہے۔ پھر ہم کوئی وزیر مشیر تو ہیں نہیں جو سرعام بجلی چرا سکیں۔ فوج نے ایسے ایسے بجلی چور پکڑے ہیں کہ بعض اوقات تو لگا کہیں وزیراعظم ہاؤس یا ایوان صدر میں بجلی چوری نہ ہوتی ہو لیکن

چونکہ وہاں سب کچھ مفت ہے سو وہاں سوائے کام چوری کے اور کوئی چوری ہو ہی نہیں سکتی۔ ویسے کچھ ماہ سے بجلی چوری کے معاملات اتنے الجھ گئے ہیں کہ لگتا ہے الگ سے وزارت بجلی چوری بنا دینی چاہیے۔ اس وزارت کے لئے عابدہ حسین سے میاں معراج دین تک کئی مستحقین ہیں لیکن مولانا فضل الرحمٰن کے فتوئ مسرت کے بعد ہم سمجھتے ہیں وزارت بجلی چوری پر سب سے زیادہ حق ان کا بنتا ہے۔ اگر وزارت بجلی چوری ان کے حوالے نہیں کی جا سکتی تو انہیں ہی وزارت بجلی چوری کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔

ooo

- دادائے عشق

بچپن وہ دور ہے جب آپ کو ڈراؤنے خواب صرف سوتے میں آتے ہیں اور جب کھلا دماغ اور تنگ کمر ایک دوسرے کے ساتھ جگہ بدل لیں تو بڑھاپا آ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں درازی عمر کی دعا دراصل دیر تک بوڑھا رہنے کی دعا ہی ہوتی ہے البتہ دیر تک جوان رہنے کا گر یہ ہے کہ زندگی دیانتداری سے گزاریں۔ آہستہ آہستہ کھائیں اور کوئی عمر پوچھے تو جھوٹ بول دیں۔ ہمارے ہاں آج کل بوڑھے بہت ہو گئے ہیں ایک زمانے میں بوڑھے کم اور بزرگ زیادہ ہوتے تھے۔ دونوں کا فرق بتانے کے لئے ایک عمر چاہیے۔ کہتے ہیں اسداللہ غالب بچپن میں قینچیے کھیل رہے تھے ایک بچے نے اسد اللہ غالب سے کہا "کھیل روکو تاکہ بزرگ گزر جائے" غالب نے اس شخص کو دیکھا اور کہا "یہ بزرگ تھوڑی ہے یہ تو بوڑھا ہے" ہمارے ہاں بڑے بڑے بزرگ ادیب شاعر گزرے ہیں لیکن اب ایسے ایسے بوڑھے شاعر ہیں کہ گزر ہی نہیں رہے اگر کوئی ان کو بوڑھا کہہ دے تو برا مان جاتے ہیں۔ لیکن قتیل شفائی نے انڈیا ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے "بڑھاپے میں عشق کرنے میں کیا برائی ہے!" وہ جواب تو اپنے لاجواب عشقوں کے دے رہے تھے مگر انہوں نے خود کو بوڑھا بھی مان لیا۔ ایک زمانے میں ہم عباس تابش کی غزلوں کی تعداد سے مہینے کی تاریخ کا حساب رکھا کرتے۔ اگر اس کی غزلیں 22 ہوتیں تو ہم ماننے کو تیار ہی نہ ہوتے کہ 23 تاریخ ہے۔ ایسے ہی قتیل شفائی کے گیتوں سے ہم ان کے عشقوں کا حساب رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بال ان کے کپڑوں سے بھی سفید ہیں مگر ان کے گیت سنتے ہوئے وہ اتنے سفید لگتے نہیں ہیں۔ عشق اور شاعری میں اتنا ہی گہرا تعلق ہے جتنا دھاندلی کا الیکشنوں سے ہے۔

ہر آدمی رات کو تھوڑا سا زیادہ لمبا ہوتا ہے' دن کی نسبت۔ ایسے ہی ہمارا ہر شاعر بھارت میں جا کر کچھ اور ہی شاعر ہو جاتا ہے۔ قتیل شفائی صاحب جب کبھی بھارت

سے پاکستان کے دورے پر آتے ہیں تو ان کی گفتگو سے یہی لگتا ہے کہ بھارت میں ان کی پوجا ہوتی ہے۔ ہم مانتے ہیں بھارت میں پوجا ہوتی ہے جیسے پوجا بیدی' پوجا بھٹ اور پوجا بترا وغیرہ۔ لیکن وہاں سے آنے والے کی گفتگو سے لگتا ہے وہاں اور بھی پوجائیں ہوتی ہیں جیسے پوجا مہدی' پوجا قتیل وغیرہ وغیرہ۔ پوجا مہدی یا پوجا قتیل سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ مہدی حسن صاحب تو کہتے ہیں "ایک پنڈت جی مجھے مدراس کے ایک مندر میں لے گئے کہ چلئے آپ کو پوجا دکھاتے ہیں۔ میں پنڈت جی کے پیچھے پیچھے ایک بہت بڑے مندر میں چلا گیا جہاں سونے کی مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مورتیوں پر تین گویوں کے بڑے بڑے فوٹو آویزاں تھے جن میں ایک بڑے غلام علی خاں دوسرے عبدالکریم خاں اور تیسرا فوٹو میرا تھا۔ ان سب فوٹوز پر پھولوں کے ہار لدے ہوئے تھے۔ میں نے پنڈت جی سے استفسار کیا کہ میرے فوٹو پر ہار کیوں ڈالے گئے ہیں۔ میں تو زندہ ہوں لیکن پنڈت جی نے پوجا کے مخصوص انداز میں دوزانو بیٹھ کر اپنے ہاتھوں کو جوڑتے ہوئے کہا "خاں صاحب آپ لوگ انسان نہیں بلکہ اوتار ہیں" ہندو ہمارے اور تخلیق کاروں کو بھی انسان نہیں سمجھتے' ایسا ہی ایک بار حافظ شیرازی نے بھی کہا تھا کہ لوگ واعظ کو فرشتہ سمجھتے ہیں ہم بھی اسے انسان نہیں سمجھتے۔"

قتیل شفائی شاعری' اداکاری اور گلوکاری کی طرح عشق کو بھی فنون لطیفہ میں شامل کرتے ہیں۔ وہ اس فن کے دادا ہیں اور مسٹر مادھوری جناب ایف ایم حسین سے متاثر ہیں۔ ایف ایم حسین نے ثابت کیا ہے کہ جس عمر میں کچھ نہیں کر سکتا' عشق کر سکتا ہے۔ وہ بھارت میں جوتے اتار کر وہ تصویریں بناتے ہیں جنہیں دیکھ کر ہمارے ہاں لوگ جوتے اتار لیتے ہیں۔ ایف ایم حسین نے ایک بار بتایا "میری محبوبہ نے کہا تھا تمہیں زیادہ محبت کرنی چاہیے سواب میری دو محبوبائیں ہیں۔" مرد کی عمر عورت سے ہمیشہ زیادہ رہی ہے کیونکہ جب حوا پیدا ہوئی تھی اس وقت آدم جوان تھا۔ اسی لئے عاشقی میں مرد عمر میں عورت سے بڑا ہی ہوتا ہے۔ عشق وہ مرض ہے جس کا جوانی لیوا حملہ پہلی عمر میں ہوتا ہے جوں جوں عمر بڑھتی ہے یہ مرض گھٹتا ہے ایسے ہی دو بوڑھے

جنگ عظیم کے دوست تھے۔ ایک نے کہا "تمہیں یاد ہے انھوں نے کیسے ہماری چائے میں برومائیڈ ملایا تھا تاکہ ہم لڑکیوں کے بارے میں سوچنا بند کر دیں" دوسرا بولا "ہاں مگر کیوں پوچھ رہے ہو؟" پہلا بوڑھا کہنے لگا "مجھے لگتا ہے چائے نے کام دکھانا شروع کر دیا ہے" لیکن اگر عاشقی کا مرض بڑھاپے میں لگ جائے تو لاعلاج ہوتا ہے۔ قتیل شفائی بھارت میں عشق کا ورلڈ کپ کھیلنے جاتے ہیں۔ ہر بار نئی ٹرافی کے ساتھ ان کی تصویر چھپتی ہے دیکھتے ہیں اس بار اس ورلڈ کپ میں ان کا رن ریٹ کیا رہتا ہے۔

○○○

• شاہ مدار

میڈیکل اور ادب کے جو اختلاف ہیں ان میں سے ایک تو ہم ہیں' دوسرا یہ ہے کہ ادب میں بڑا دل ہونا خوبی ہے جبکہ میڈیکل میں بیماری ہے۔ ادب کہتا ہے درد دل کے لئے انسان بنایا گیا ہے۔ میڈیکل میں اس کے لئے دل کے ڈاکٹر بنائے گئے ہیں۔ بہرحال میڈیکل میں مرے کو ماریں ڈاکٹر جبکہ ادب میں مرے کو ماریں شاہ مدار۔ ہم شاہ مدار کو جانتے تو نہیں لیکن خیال ہے کہ وہ امریکی ہوں گے۔ بہرحال ہمیں وہ یاد حکومت پنجاب کے اس نوٹس کو پڑھ کر آئے ہیں جس میں مولانا عبداللطیف مرحوم کی منڈی بہاؤ الدین کی حدود میں داخلے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ مولانا پچھلے برس یکم محرم کو انتقال کر گئے تھے جس کی خبر ٹی وی نے بھی دی تھی۔ خیر کسی خبر کا ٹی وی سے نشر ہونا ہی اسے مشکوک کرنے کے لئے کافی ہے۔ شاید اسی لئے حکومت نے مولانا مرحوم کے منڈی بہاؤ الدین داخلے پر پابندی لگائی ہے۔ کہتے ہیں جو کتاب اس قابل ہوتی ہے کہ اس پر پابندی لگائی جائے وہ اس قابل ہوتی ہے کہ اسے پڑھا جائے۔ ہم خود پابندی کے حق میں ہیں بالخصوص پابندی اوقات کے' لیکن ہمیں یہ علم ہے کہ مردوں کے کسی بھی شہر میں داخل ہونے پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ مرنے کا یہی فائدہ ہے کہ آپ ویزے کے بغیر دوسرے ملک جا سکتے ہیں۔

مردوں کا سیاست سے بڑا تعلق ہے کچھ عرصہ تک تو ہمارے الیکشنوں میں مردے کھڑے ہوتے رہے مرحوم بھٹو مرحوم ضیاء کے درمیان مقابلہ ہوتا۔ الیکشن میں مرحومین ووٹ بھی ڈال سکتے ہیں۔ اکثر مردے پوچھے بغیر ووٹ ڈال دیتے ہیں۔ سو ممکن ہے ایسی کسی وجہ سے مولانا مرحوم کو یہ نوٹس جاری ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے مولانا حکومت کو پیشگی اطلاع کئے بغیر انتقال کر گئے ہوں۔ ہم نے ایک ہوٹل میں کمرہ لینے کا شرائط نامہ پڑھا تو اس میں لکھا تھا "آپ کو مرنے سے 24 گھنٹے پہلے ہوٹل ہذا کو خالی کرنا

ہو گا" ہمارے ایک جاننے والے کو کہا گیا کہ آپ 1998ء کو پنشن لینا چاہتے ہیں تو میڈیکل سرٹیفکیٹ جمع کروائیں تاکہ پتہ چل سکے کہ آپ زندہ ہیں۔ انہوں نے سرٹیفکیٹ دے کر 1998ء کا معاوضہ تو لے لیا۔ 1997ء کے کچھ ماہ کے واجبات بھی بقایا تھے انہوں نے اس کی ادائیگی کے لیے کہا تو جواب ملا آپ نے 1998ء کا سرٹیفکیٹ تو دے دیا 1997ء کا بھی میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوا کر لائیں تاکہ پتہ چل سکے کہ آپ 1997ء میں بھی زندہ تھے۔ ہو سکتا ہے اب حکومت نے یہ شرط رکھ دی ہو کہ جب تک کوئی اپنا Death سرٹیفکیٹ جمع نہ کروائے اسے مردہ تسلیم نہ کیا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے حکومت مولانا عبداللطیف کو احتراماً اور خوش کرنے کے لئے زندہ مان رہی ہو۔ ایک مردے کی اس کے سوا اور کیا خواہش ہو سکتی ہے مارک ٹوئن نے کہا تھا میں چاہتا ہوں زندہ جاوید ہو جاؤں پر میں اپنے فن کی وجہ سے نہیں اپنے نہ مرنے کی وجہ سے زندہ رہنا چاہتاہوں۔ کہتے ہیں تین بندوں کو پھانسی دی جانے لگی تو ایک صحافی نے ان سے پوچھا "آپ کیا چاہتے ہیں جب آپ مر جائیں تو لوگ آپ کو کیا کہیں؟" ایک بولا "وہ کہیں کہ میں ایک اچھا انسان تھا" دوسرا بولا "میری خواہش ہے کہ لوگ کہیں کہ میں دیانتدار شخص' اچھا خاوند اور اچھا باپ تھا" صحافی نے تیسرے سے پوچھا "مرنے کے بعد آپ اپنے متعلق کیا بات سننا چاہیں گے؟" وہ بولا "میں سننا چاہوں گا کہ لوگ کہیں یہ ہل رہا ہے۔"

ہم مولانا عبداللطیف مرحوم کو نہیں جانتے' ان میں کوئی نہ کوئی خوبی تو ضرور ہو گی جو ہم انہیں نہیں جانتے۔ بہرحال وہ اس جگہ پر ہیں جہاں سے شہر نہیں جا سکتے۔ شہر ان کے پاس آ سکتا ہے۔ کسی نے کہا تھا اس خاتون کو کیا کہیں گے جو جانتی ہے اس کا خاوند ہر رات کہاں ہوتا ہے/ جواب ملا "بیوہ" صاحب مرنے والے کے بارے میں بیوی ہی نہیں پولیس کو بھی پکا پتہ ہوتا ہے وہ کہاں ہے۔ ویسے تو حکومت چاہے تو پولیس مرحوم مولانا کو لا کران سے پریس کانفرنس بھی کروا سکتی ہے جیسے صدر سوئیکارنو نے کمیونزم کے دور میں روس جا کر کہا "میں امام بخاری کے حضور حاضری دینا چاہتا ہوں"

تو کے جی بی کے چیف نے کہا "آپ کو وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے ہم اس نام کے بندے کو کریملن بلا لیتے ہیں" ہمارے ہاں تو چند سال قبل پولیس نے علامہ شبلی نعمانی کے شبے میں حمید جہلمی صاحب کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ تو صحافیوں نے احتجاج کرکے انہیں چھڑوا لیا ورنہ اگلی پیشی تک حمید جہلمی با آواز بلند کہہ رہے ہوتے کہ ہاں ہاں میں ہی علامہ شبلی نعمانی ہوں اور انہیں اس شرط پر چھوڑا گیا کہ وہ مولانا شبلی اور سید سلیمان ندوی کو پیش کریں گے۔ پولیس چاہے تو ہم سے یہ قبول کروا لے کہ ہم ہی داڑھی کے بغیر مولانا عبداللطیف مرحوم ہیں۔ ویسے حکومت جب غلط ہو تو صحیح ہونا صحیح نہیں اور حکومت آپ کو زندہ کہے تو مرنا' موت کو دعوت دینا ہے لگتا ہے آج کل حکومت کے دن اچھے نہیں وہ ریاض بسرے کو مارتی ہے تو وہ زندہ نکلتا ہے' وہ مولانا عبداللطیف کو زندہ بتاتی ہے تو وہ مردہ نکلتا ہے۔ ہمیں تو حکومت کے دن اس روسی جیسے لگتے ہیں جو واڈکا گلاس میں ڈالے اسے گھور رہا تھا کہ ایک چیچن ڈرائیور اندر آیا اس نے گلاس پکڑا اور ایک ہی گھونٹ میں سارا پی گیا۔ روسی نے واویلا شروع کر دیا۔ چیخ و پکار سن کر چیچن نے کہا "روؤ مت مجھے روتے ہوئے مرد اچھے نہیں لگتے' میں تمہیں واڈکا کا گلاس لے دیتا ہوں" روسی بولا "یہ بات نہیں آج میرا دن ہی برا ہے' صبح دیر سے اٹھا دفتر گیا اہم میٹنگ تھی دیر سے پہنچا تو باس نے نوکری سے نکال دیا وہاں سے نکل کر پارکنگ میں آیا تو کار چوری ہو چکی تھی' پولیس کے پاس گیا اس نے جیب میں جو تھا وہ نکلوا لیا۔ گھر پہنچا تو بیوی کو ہمسائے کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا' گھر چھوڑ کر یہاں آیا' زندگی ختم کرنے کے لئے واڈکا میں زہر ملایا ابھی اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ تم اٹھا کر پی گئے آج میرا دن ہی خراب ہے۔"

○○○

- زلف چور

جب ہمیں پتہ چلا کہ روسی زلف چور ہیں تو ہم نے سمجھا جیسے چینی اور جاپانی عمر چور' فرانسیسی پیٹ چور اور امریکی صرف چور ہوتے ہیں ایسے ہی روسی زلف چور ہوتے ہوں گے۔ یہی نہیں اس حساب سے تھائی لینڈ کے باشندوں کو داڑھی مونچھ چور کہنا چاہیے' لیکن اخبار پڑھ کر علم ہوا روس میں زلف چوروں کے باقاعدہ گروہ ہیں جو ہجوم میں چوری سے زلفیں تراش کر مہنگے داموں دوسرے ملکوں کو ایکسپورٹ کرتے ہیں۔ ایک زلف چور کو ماسکو کی عدالت میں پانچ سو روبل جرمانہ کیا گیا تو اس کے وکیل نے کھڑے ہو کر کہا "یور آنر آپ کا شکریہ یہ میرے کلائنٹ کے پاس صرف 50 روبل ہیں اگر آپ اسے چند منٹ کے لئے ہجوم عنایت کریں تو۔" بہرحال ہمیں نواز شریف صاحب کے دورہ روس سے قبل ان چوریوں کی خبر ہوتی تو ہم وزیراعظم صاحب کو ضرور مطلع کرتے۔

خیر وہ تو بال بال بچ گئے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کا دورہ روس انتہائی کامیاب رہا۔ دوسری وجہ وہ ہے جو واجپائی کے حوالے سے کسی نے بتائی تھی کہ واجپائی اپنی بیوی سے نہیں ڈرتا جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ نڈر بندہ ہے جبکہ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔

روس جو کبھی سپر پاور ہوتا تھا اب صرف سپر رہ گیا ہے پاور ختم ہو گئی ہے۔ روس وہ سومو پہلوان نکلا جو اپنے ہی بوجھ تلے دب کر مقابلہ ہار گیا تھا۔ روس کی تاریخ کو تمثیل میں بیان کرنا ہو تو سمجھ لیں سوویت یونین کی ٹرین کسی ایسی جگہ پر پہنچ چکی ہے جہاں آگے سے پٹڑی ختم ہے۔ اس صورتحال میں لینن ہوتا تو کہتا عام لوگوں میں گھل مل جاؤ۔ ان کے جذبوں کو کام میں لا کر آگے پٹڑی بناؤ تاکہ گاڑی آگے جا سکے۔ سٹالن کہتا "عام لوگوں کو ٹرین کے نیچے بچھا کر اوپر سے ٹرین گزار دو" خروشیف ہوتا تو کہتا "جاؤ ٹرین کے پیچھے کی پٹڑی اکھاڑ کر اسے آگے بچھا دو اور سفر جاری رکھو"

برژنیف ہوتا تو کہتا ٹرین پر پردے ڈال کر اسے وہیں آگے پیچھے ہلاتے رہو تاکہ شور سے لگے ٹرین چل رہی ہے۔ گورباچوف ہوتا تو کہتا "ہمارے پاس گلا سناسٹ ہے باہر نکلو اور زور زور سے چلاؤ کہ آگے پٹڑی نہیں ہے" یلسن کہتا "گاڑی اور مسافروں کو وہیں لے چلو جہاں سے آئے تھے" کیمونزم میں گدھے اور گھوڑے کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا۔ ویسے بھی وہاں گدھے اور گھوڑے کا فرق ہی کتنا ہے؟ ایک گھونٹ واڈکا۔ صدر یلسن کو جب ملک اور اپنا مستقبل مخدوش اور کرسی کمزور لگے وہ واڈکا پی لیتے ہیں اور ملکی حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ روس کی سب سے تباہ کن فورس اکانومسٹ ہیں۔ ایک روسی سے کسی نے پوچھا ایک اکانومنسٹ سے برا کوئی ہو سکتا ہے؟ وہ بولا "دو اکانومسٹ" کہتے ہیں واڈکا نے وہاں کی اکانومی کو سہارا دے رکھا ہے یعنی اس کی وجہ سے بیویوں کے میک اپ کا خرچہ بچتا ہے۔ خاوند پی لیتے ہیں اور انہیں بیوی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔ پولیس کو ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے کے لئے اسلحے کی ضرورت نہیں۔ واڈکا پلا کر انہیں نہتے جس سے مرضی لڑا دیں۔ اگر روسی واڈکا کی دو بوتلیں لئے جا رہا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ فیوچر پلاننگ کر رہا ہے۔ روسی امریکی اور جاپانی میں کیا فرق ہے اس کا اندازہ اس سے لگا لیں۔ ایک روسی' امریکی اور جاپانی کو خلائی شٹل میں دو سال کے لئے خلا میں بھیجا جا رہا تھا۔ چونکہ وہاں دو سال رہنا تھا سو خلا بازوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی تفریح کے لئے کچھ سامان جس کا وزن 150 پونڈ سے زیادہ نہ ہو لے جا سکتے ہیں۔ امریکی نے ناسا والوں سے کہا کہ میری بیوی 125 پونڈ کی ہے' اسے ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ اجازت مل گئی۔ جاپانی نے کہا میری خواہش ہے یونانی زبان سیکھوں سو مجھے 150 پونڈ کے وزن کی کتابیں لے جانے کی اجازت دی جائے۔ ناسا والوں نے روسی سے پوچھا تو اس نے چند سیکنڈ کے لئے سوچا اور کہا "مجھے کیوبا کے سگار چاہئیں" ناسا والوں نے یہ لے جانے کی اجازت دے دی۔ دو سال بعد جب شٹل واپس آئی تو ایک ہجوم شٹل کے اردگرد اکٹھا تھا تاکہ جان سکے کہ ہرکسی کا سفر کیسا رہا۔ امریکی شٹل سے باہر نکلا تو اس نے اور اس کی بیوی

نے ایک ایک بچہ اٹھایا ہوا تھا۔ ہجوم نے تالیاں بجائیں۔ جاپانی خلانورد باہر آیا تو اس نے دس منٹ یونانی میں تقریر کی جس میں زبان پر ایسی گرفت تھی کہ سننے والے حیران رہ گئے۔ سب سے آخر میں روسی خلا باز باہر نکلا تو اس کا چہرہ غصے سے سرخ اور رگیں تنی ہوئی تھیں۔ اس نے ہجوم پر ایک سرسری نظر ڈالی اور منہ سے چبایا ہوا سگار نکال کر پوچھا "کسی کے پاس ماچس ہو گی؟"

زمانہ بڑا استاد ہے لیکن ایسا استاد جو پہلے ٹیسٹ لیتا ہے سبق بعد میں دیتا ہے۔ روسیوں نے زمانے سے یہی سبق سیکھا ہے کہ زمانے سے سبق نہیں سیکھنا چاہیے۔ کسی نے لکھا تھا روس میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو رشوت دیتے ہیں اور دوسرے وہ جو رشوت لیتے ہیں۔ البتہ وہاں پر کام ہونا دیانتداری سے ہے۔ ایک طالب علم نے امتحانی پرچے کے ساتھ سو ڈالر کا نوٹ نتھی کر کے لکھا پانچ ڈالر فی نمبر۔ جب اسے پرچہ واپس ملا تو اس کے ساتھ بقایا 30 ڈالر نتھی تھے۔ وہاں خواتین ہر شعبے میں چھائی ہوئی ہیں جس کی وجہ صرف ان کا موٹا ہونا نہیں ویسے وہاں کی خواتین کی عمر ڈبل فگرز میں بعد میں آتی ہے وہ پہلے آ جاتی ہیں۔ پہلے خواتین فیکٹریوں میں کام کرتی تھیں پھر خواتین وہاں کی فیکٹریاں بن گئیں۔ وہاں کپاس بہت ہوتی مگر وہاں کی خواتین کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ ساری کپاس ایکسپورٹ کر دیتے ہیں۔ نیوڈ کلبوں میں وہاں یوں جاتے ہیں کہ جو جانے سے ہچکچائے اسے جیب کترا سمجھنے لگتے ہیں۔ جرائم اتنے ہیں کہ ڈاکو بھی رات کو اکیلے نہیں نکلتے کہ کوئی لوٹ نہ لے۔ اگرچہ ماسکو کا میئر کہتا ہے "قتل و غارت کے سوا ماسکو میں سب سے کم کرائم ہوتے ہیں" امریکیوں کو چرانے کو کچھ نہ ملے تو آنکھیں چرانے لگتے ہیں مگر روسی زلفیں چرانے تک آ گئے ہیں۔ زلف چور ہجوم میں چپکے سے زلفیں کاٹ لیتے ہیں جنہیں امریکہ، جاپان اور عرب ممالک میں بھیج دیا جاتا ہے۔ زلف ہمارے ہاں تو اتنی اہم ہے کہ ایک پورا رشتہ اس حوالے سے ہے۔ پھر ہمارے ہاں زلف کا سودا ہونا، عاشق ہونا ہے جبکہ وہاں تو یہ بزنس ہے۔ اس لئے

آئندہ روس جانے والے وفود میں ایسے اشخاص کو شامل کرنا چاہیے جنہیں وہاں کوئی ایسا خطرہ نہ ہو۔ یاد رہے ہم سرتاج عزیز صاحب کی سفارش نہیں کر رہے۔